فلسفۂ وحدت الوجُود
برکت اے خان
* دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں تصوّرِ خدا، توحیدِ الٰہی
اور فلسفۂ وحدت الوجُود کے متعلق جو جو عقائد تصوّرات اور نظریات
پائے جاتے ہیں۔ اُن کے متعلق بطورِ موازنہ یہ ایک نایاب اور جامع
کتاب ہے۔ عالم فاضل علمائے دین اور مفکّرین بعد از مطالعہ اس
کتاب کی اہمیّت، عظمت اور افادیت کی داد دیں گے۔

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا"

فلسفۂ وحدت الوجود

برکت اے خاں

فہرست مضامین

نوٹ :۔ یہ کتاب چند قسطوں میں ماہنامہ اخوّت لاہور میں بھی شائع ہو چکی ہے،

بارِ اوّل :۔ مطبوعہ ایلگا ملیٹڈ پریس سیالکوٹ ١٩٧٣ء۔
بارِ دوم :۔ مطبوعہ نیازی پرنٹنگ پریس لاہور ١٩٧٧ء۔
بارِ سوم :۔ مطبوعہ نیازی پرنٹنگ پریس لاہور ١٩٨٠ء
ناشر :۔ برکت اے خان وارڈ ٦ سیالکوٹ ٢
(رکن بشارتی کمیٹی سیالکوٹ ڈایوسیس کونسل)

Phone : 351347

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

KAZI JAVED

DEPARTMENT OF PHILOSOPHY
NEW CAMPUS, LAHORE
PAKISTAN

Ref. No. Phil.

Dated 10 — 10 1978.

میرے محترم

آپ نے ازراہِ نوازش اپنی کتاب فلسفۂ وحدت الوجود اور دو کتابچے مسلمانوں کے دوست اور سیرت المسیح ارسال فرمائیں۔ میں اس کے لئے از حد ممنون ہوں

فلسفۂ وحدت الوجود نہایت ہی علمی تصنیف ہے۔ اس میں معروضی اور بے لاگ تحقیق کا جو معیار قائم کیا گیا ہے وہ کم از کم دنیا کے اس حصے میں بے مثال ہے۔

جہالت اور دکھ درد سے بھرپور ہماری دنیا میں نسل انسانی کے مختلف تاریخی گروہوں کے مابین انسانی سطح پر ابلاغ کی آپ کی کاوشیں زندگی پر اعتماد کو تقویت دے رہی ہیں۔

خدا کرے آپ کی جلائی ہوئی شمعیں ہمیشہ روشن رہیں۔

دعا جو

قاضی جاوید

جناب برکت اے خان
رکن
بشارتی کمیٹی سیالکوٹ

برکت اے خاں

فلسفۂ وحدت الوجود

(دیباچہ)

تمام اہلِ مذہب اپنی اپنی جگہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا دین' دینِ حق ہے' ہمارا دین، دینِ فطرت ہے، ہمارا دین خدائے واحد کی طرف سے عطا کردہ ہے' ہمارا دین شرک سے پاک ہے، اُن سب کے پاس اپنے اپنے دین کی صداقت اور سچائی کی دلیل یہ ہے کہ ہم ایک خُدا کو مانتے ہیں، ہم خدائے واحد کے پرستار ہیں، ہم خُدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے دین میں خدا تعالیٰ کی ذاتِ اُقدس کا تصور دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ واضح، قابلِ تعریف اور قابلِ قبول ہے۔ ہمارے دین میں خدا کی وحدت کا عقیدہ موجود ہے اور ہمارے دین میں ذاتِ الٰہی اور توحیدِ الٰہی کا تصور اور صفاتِ خداوندی کا معیار اعلیٰ ترین اور بے مثل ہے۔

یہ ایک زندہ حقیقت بھی ہے کہ جس مذہب میں خدا تعالیٰ کی اخلاقی پاکیزگی اور ذات وصفات کے متعلق جتنے تصورات عمدہ اور اعلیٰ ہوں گے، اتنا ہی وہ دین' دینِ فطرت اور دینِ حق تسلیم کیا جائے گا۔ اور اُس کے معتقد افراد کی روزمرہ زندگی کے اعمال، اخلاق اور کردار بھی قابلِ تعریف ہوں گے، لیکن آپ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ محض خُدا تعالیٰ کی توحید اور ذاتِ وحدت پر ایمان رکھنے سے آپ کو کوئی کارِ ثواب ہو گا، کیونکہ جب تک انسان کلامِ اللہ اور احکامِ خداوندی پر دلی عقیدت اور راستی سے عمل پیرا نہ ہو اور خُدا کے فرمودہ اخلاقی راستبازی کے پاکیزہ اصولوں کا لباس زیبِ تن نہ کرے۔ اُسے خُدا کو ایک اور واحد اور عظیم ہستی ماننے سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ مذہب کا
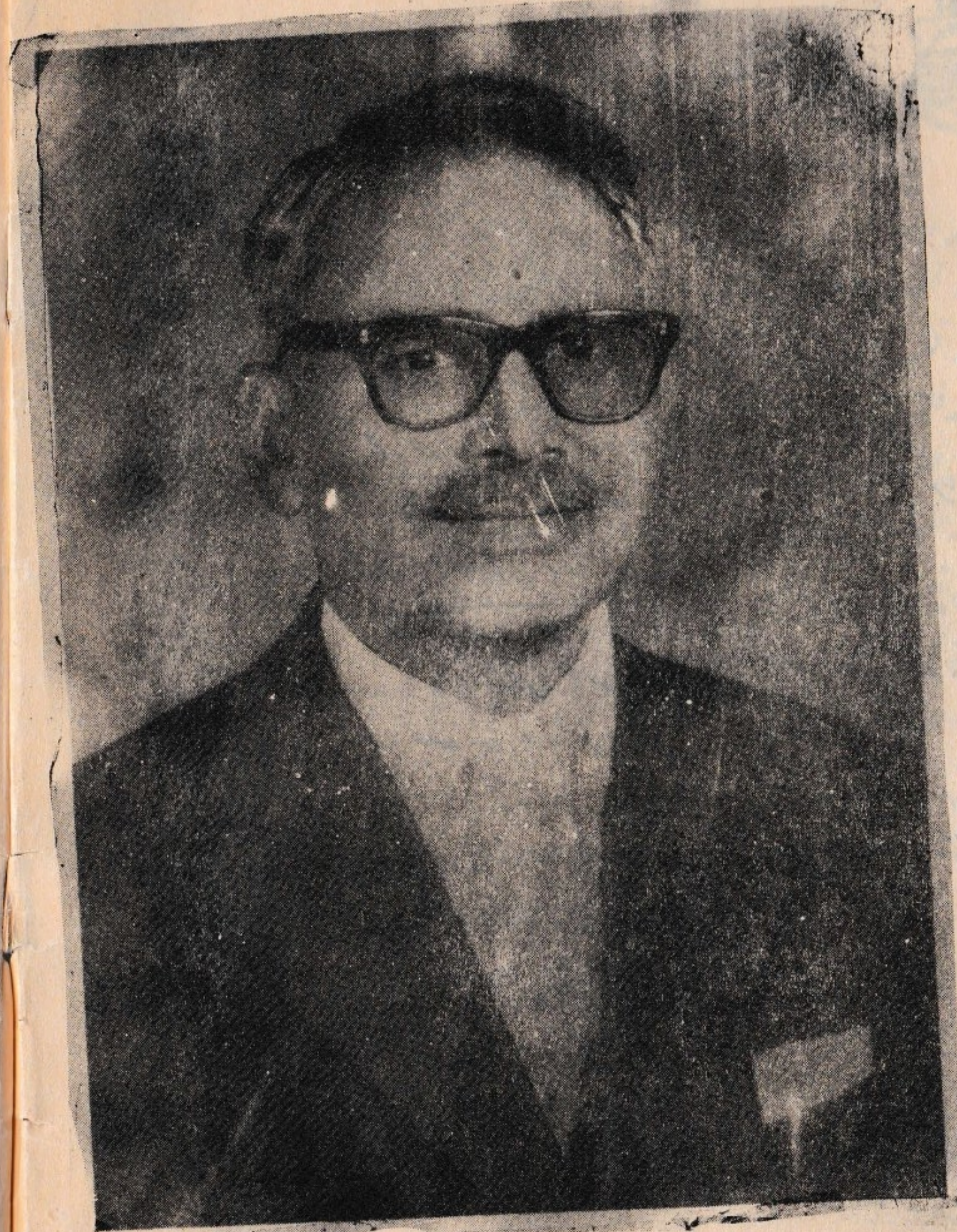
دوسرا بڑا نام اخلاق ہے۔ مذہب منبعِ اخلاق ہے۔ یہاں مقابلہ اس بات کا نہیں کہ ہم کتنی مذہبی رسُومات کے پابند، مخیّر اور عبادت گزار ہیں کیونکہ ہر مذہب میں بڑی دلچسپ مذہبی رسُومات موجود ہیں بلکہ مقابلہ اس بات کا ہے کہ آپ کا اخلاقی معیارِ زندگی کتنا بُلند ہے؟ چنانچہ مذہب کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ آپ اپنے مذہب کے منبعِ اخلاق سے حاصل کردہ اخلاقی پاکیزگی کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ آپ کے دینِ حق اور دینِ فطرت کی صداقت روشن ہو۔

انجیلِ مُقدّس میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ اے اِنسان :۔

"تُو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ خُدا ایک ہی ہے،

خیر! اچھا کرتا ہے،

شیاطین بھی ایمان رکھتے اور تھرتھراتے ہیں"

(انجیل خط یعقوب ۲ باب ۱۹ آیت)

بعض لوگ اپنے آپ کو بڑے فخر سے موحد قرار دیتے ہیں۔ خیر وہ اچھا کرتے ہیں، لیکن اُن کی ایک بڑی اُلجھن اور مشکل یہ ہے کہ وہ خود کو موحد لیکن باقی تمام مذاہب کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ دُوسرے مذاہب کی کُتبِ مقدّسہ کے مطالعہ اور تحقیق وتفتیش کے بغیر ایسا دعویٰ اور فتویٰ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یاد رہے کہ جب ہم دوسرے تمام مذاہب کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ تو گویا ہم اُن کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتے ہیں اور اُن کو دُکھ پہنچاتے ہیں۔ اس لیے میرا ایک دوستانہ نیک مشورہ یہ ہے۔ کہ دُوسروں کے مذہبی عقائد پر تنقید وتبصرہ کرنے سے پہلے ان کا بغور مطالعہ کریں پھر سنجیدگی اور رواداری سے بات کریں۔ آخر دوسرے مذاہب کے افراد بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ اُن کو بھی اپنے مذہبی عقائد اتنے ہی عزیز ہیں جتنے آپ کو، اُن میں بھی آپ کی طرح مذہبی غیرت اور جوشِ محبت موجود ہے، کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح ابُوالبشر بزرگ آدم وحوا کی نسل ہیں۔ اُن کے پاس بھی اپنا ایک پاکیزہ فلسفۂ توحیدِ الٰہی موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے مشاہدہ میں یہ بات آئی

ہے کہ بعض لوگ اپنے مذہبی معاملات میں بڑے جذباتی ہوتے ہیں لیکن بعض لوگ اپنے مذہبی جذبات میں حلیم الطبع، بُردبار، متحمل مزاج اور صابر ہیں۔ کیونکہ وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور مذہبی عقائد کو سمجھنے کے لیے اپنی عقلِ سلیم اور علمی قابلیت سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ اور صبر وتحمل سے بات چیت کرتے ہیں۔

چنانچہ مذہبی عقائد اور مسائل پر بحث وتکرار کے دوران کبھی بے لگام یا جذباتی نہیں ہونا چاہیئے، الزامی گفتگو سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے، کیونکہ مذہبی مسائل کو تعصب اور نفرت کا رنگ دینے والا شخص ایک طرح خود اپنی متعصبانہ اخلاقی کمزوریوں کے باعث اپنے ہی مذہب کی عظمت اور صداقت کا مخالف بن جاتا ہے

قرآن مجید میں لکھا ہے :۔

"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" یعنی دین میں زبردستی نہیں۔" (بقرہ ۲۵۶)

ایک دوسری جگہ لکھا ہے :۔

"اور تم مسلمان اُن معبُودوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ بُرا نہ کہو کہ وہ بے سمجھی سرکشی سے اللہ کو بُرا کہنے لگیں گے۔"

(سُورہ انعام ۱۰۸ آیت)

خُداوند یسُوع مسیح کا ارشاد ہے :۔

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دُعا کرو۔" (انجیل متی ۵ : ۴۴)

"اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں۔ تم بھی اُن کے ساتھ ویسا ہی کرو۔" (انجیل لوقا ۶ : ۳۱)

مذہب انسان کے اخلاق اور کردار کی اصلاح اور تعمیر وترقی کے اعلیٰ اصُولوں کی ایک قابلِ عمل راہِ ہدایت ہے، مذہب انسان کے دِل ودماغ اور ظاہر وباطن میں روحانی پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ اور اُس باطنی روحانی پاکیزگی کے اظہار وتفہیم کا ذریعہ انسان کے اعضائے جسمانی ہیں۔ قلم وزبان ہے، قول وفعل ہیں۔ مذہب خدا اور

انسان کے درمیان، انسان اور انسان کے درمیان محبت وخلوص کا جذبۂ خدمت، انسانی ہمدردی اور اخوت پیدا کرتا ہے، چنانچہ کسی مذہب کے افراد کے اخلاقی اصولوں، انسانی ہمدردیوں، خلوص ومحبت اور اُن کی شائستہ تحریر وتقریر سے ہی ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حق پرست ہیں یا باطل پرست ہیں۔ موحد ہیں یا مُشرک۔ مُنہ سے کہہ دینا کہ ہم حق پرست اور توحید پرست ہیں۔ یہ کافی نہیں۔ کیونکہ جس شخص کا اخلاق نہیں اُس کا کوئی مذہب نہیں، کوئی دین نہیں، جس شخص کا اخلاق اچھا ہے اُس کا ضرور کوئی نہ کوئی مذہب ہے۔ کوئی اصولِ زندگی ہے۔ کوئی منبعِ اخلاق ہے۔ مذہب ذریعہ حصولِ اخلاق ہے۔ درحقیقت مذہب اعمالِ حسنہ کا نام ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے انسان کی اخلاقی راستبازی کو درخت کے پھل سے تشبیہ دی ہے کہ:-

"ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ (انجیل لوقا ۶ : ۴۴)

ہر شخص کے اخلاق سے اُس کے مذہب کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔

شریعت اور مذہبی عقائد بھی اعمالِ حسنہ اور حصولِ اخلاق کے لیے تعلیم کیے جاتے ہیں، کیونکہ انسان کے قول وفعل کا سرچشمہ کوئی نہ کوئی عقیدہ اور اصولِ زندگی ضرور ہوتا ہے، لہٰذا جس مذہب میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق جتنے اخلاقی اور روحانی تصورات اچھے اور اعلےٰ ہوں گے، اس مذہب کے افراد کے اخلاقی اصُول اور اعمالِ حسنہ بھی اُتنے ہی قابلِ تعریف ہوں گے، کیونکہ الٰہی قُرب و رفاقت سے کسی پاکیزہ اخلاق کے حصُول کی توقع یقینی امر ہے، خدائے قدوس ایک کامل ترین، بے مثل، بے عیب، بے داغ اور پاکیزہ اخلاقی ہستی ہے، اور اُس کے معتقد قُربِ الٰہی سے ویسے ہی پاکیزہ اخلاقی اصُولوں کے کمالات حاصل کرتے ہیں جیسا ان کو اُن کی مذہبی کتابِ مُقدس کے مطابق خُدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق رُوحانی اور اخلاقی پاکیزگی کا تصور دیا گیا ہے، گویا انسان قُربِ الٰہی سے بقدرِ ظرفِ انسانی الٰہی پاکیزگی اور اخلاقی راستبازی کا لباس حاصل کرتا ہے۔ اور یہی ہر مذہب کا مُدعا و مقصد ہے۔ چنانچہ انسان کا اخلاق دراصل خالقِ کائنات کے اخلاق کا عکس ہے۔

بشرطیکہ وہ حصُولِ اخلاق کی خاطر اپنے خالقِ حقیقی پر سچا ایمان رکھتا ہو۔ اور دلی عقیدت کے ساتھ خدا کا عبادت گذار ہو۔ ابتدا میں خُدا نے ابُوالبشر آدم کو بلحاظ اخلاقی پاکیزگی اپنی صُورت اور شبیہہ کی مانند بنایا۔ اور اُسے اشرف الاخلاق پیدا کیا۔ کیا آپ نے اپنے مذہب کو حصُولِ اخلاق، نجات اور عرفانِ الٰہی کی خاطر قبول کیا ہے؟ یا محض خاندانی رفاقت اور بحث وتکرار کی خاطر قبول کیا ہے؟ آپ کی پاکیزہ اخلاقی خوبیاں ہی آپ کے مذہب میں داخلہ کے دروازے دوسروں کے لیے کھول دیتی ہیں۔ اور آپ کی اخلاقی کمزوریاں ہی آپ کے مذہب میں داخلہ کے دروازے دوسروں کے لیے بند کر دیتی ہیں۔ بائبل مُقدس میں سے پیدائش کی کتاب ۱ : ۲۶-۲۷ آیت پڑھ کر دیکھیں۔ یُوں لکھا ہے کہ:-

"پھر خُدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صُورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں"۔ "اور خُدا نے انسان کو اپنی صُورت پر پیدا کیا"۔

یعنی آدم کو خدا تعالےٰ نے بقدرِ ظرفِ انسانی اپنی روحانی اور اخلاقی پاکیزہ خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ سے متصف کیا اور یُوں اُسے اپنے ساتھ مشابہت بخشی۔ اُسے نہ صرف اشرف المخلوقات بلکہ اُسے اشرف الاخلاق اور اشرف العقل وحکمت بھی پیدا کیا۔ تاکہ خدا تعالےٰ اپنی متشابہ صفات اشرف المخلوقات انسانی ہستی کے ساتھ بوقت ضرورت بذریعہ الہام مکالمہ ومخاطبہ کر سکے۔ اُس سے حقیقت ومعرفت کے راز ورموز بیان کر سکے۔ خدا تعالیٰ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ وہ لامحدود اور لاانتہا ہستی ہے۔ اُس کی ذاتِ وحدت بے حد و بے حساب ہے، وہ انسان کی رسائی سے بلند و بالا ہے۔ انجیلِ مُقدس میں لکھا ہے کہ:-

"جو مُبارک اور واحد حاکم بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ بقا صرف اُسی کو ہے۔ اور وہ اُس نُور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اُس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے۔ آمین"

(انجیل خط پہلا تیمتھیُس ۶ : ۱۵ : ۱۶)

خداوند یسوع مسیح نے فرمایا ہے کہ :- "خدا روح ہے"۔

یعنی خدا تعالیٰ ایک ایسی لاانتہا اور نادیدنی ہستی ہے جس کا وجود اور ہستی انسان کی طرح نہیں، وہ مرد یا عورت نہیں، وہ تذکیر و تانیث سے پاک ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے انسانی شکل میں ظہور و تجسم کے واسطے کسی عورت کے ساتھ اپنے ازدواجی رشتہ کی ضرورت اور محتاجی سے کلیتہً پاک ہے۔ اس لیے کہ خالق اور مخلوق کی جنس الگ الگ ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق خدا ہے، وہ جس کام کے ہوجانے کا حکم کرتا ہے وہ از خود معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔ وہ اپنے الٰہی رشتہ محبت اور حقیقت و معرفت کی عظمت کے سبب جس کو چاہتا ہے بیٹا بنا لیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹی بنا لیتا ہے۔ اگرچہ لوہار بغیر لوہے کے، بڑھئی بغیر لکڑی کے، درزی بغیر کپڑے کے کوئی چیز نہیں بنا سکتے لیکن خدا تعالیٰ قادر ہے اس نے تمام کائناتِ عالم کی ہر شئے کو اپنے کلمہ کے وسیلہ سے نیست سے ہست کیا۔ یہ کلمہ کلمۃ اللہ عیسیٰ المسیح ہے۔ بائبل مقدس میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ رب العالمین ہے، خالقِ کائنات اور حی القیوم ہے۔ (دانی ایل ۱۲: ۷)

وہ ہمہ جا حاضر و ناظر ہے۔ خدا تعالیٰ ایک غیر منقسم لامحدود واحد اور صاحبِ اختیار زندہ ہستی ہے۔ وہ آسمان زمین اور ساری کائناتِ عالم کا رب العالمین (میکاہ ۴: ۱۳) ہے، وہ خالق اور رازق ہے، ساری کائنات کا قیام اور نظامِ حیات اُسی کے حکمِ ربانی اور الٰہی قدرت سے رواں دواں ہے۔ الٰہی قدرت کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اور کرشمہ بھی انسان کے لیے باعثِ حیرت و تعجب ہے، کیونکہ عقلِ انسانی خدا تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کے مکاشفات کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کے چھوٹے سے چھوٹے کرشمہ کو سمجھنا اور اُس کا حالِ حقیقت بیان کرنا ایک عاجز انسان کے لیے ناممکن بلکہ محالِ مطلق ہے۔ تو ذرا غور کیجیے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور فوق الفطرت شخصیت کا حالِ حقیقت بیان کرنا کس قدر مشکل بلکہ بعید از عقل ہے؛ مشاہدۂ فطرت سے تو صرف خدا تعالیٰ کی موجودگی ثابت ہوسکتی ہے نہ کہ الٰہی ذات، ماہیت اور حقیقت۔ مثلاً کسی جنگل میں ہاتھی کے نقشِ پا دیکھ کر صرف ہاتھی کی موجودگی

کا اندازہ تو ہوسکتا ہے، لیکن اُس ہاتھی کے قد و قامت، قوت اور صفات کے متعلق اُن آثارِ پا سے کچھ علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور کسی عالیشان عمارت کو دیکھنے سے محض اُس عمارت کے معمار کی ہستی کا یقین تو ہوسکتا ہے لیکن معمار کی شکل و صورت، عادات و خصائل کا علم اُس عمارت کے مشاہدہ سے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مشاہدۂ کائناتِ فطرت و قدرت سے صرف خدا تعالیٰ کی موجودگی کا علم تو حاصل ہوسکتا ہے۔ کہ وہ بڑا علیم و حکیم ہے، وہی رب العالمین ساری کائنات کا خالق و رازق ہے۔ لیکن اُس کی الٰہی ذات، حقیقت، شخصیت اور ماہیت کا علم اس کے ظہور و تجسم کے بغیر محالِ مطلق ہے چنانچہ اگر کسی مذہب میں خدا تعالیٰ کی ہستی اور توحیدِ الٰہی کا عقیدہ موجود ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ مذہب خدا تعالیٰ کی ذات و صفات، ماہیت، حقیقت اور شخصیت کو کُلی طور پر بیان کرنے میں بھی بے مثل اور کامل طور پر بے نقص ہے۔ حق تعالیٰ ایک زندہ فوق الفطرت، بلند پایہ آسمانی ہستی اور ایک کاملِ اخلاقی اور روحانی شخصیت ہے۔

"وہ اُس نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا ہے، اور نہ دیکھ سکتا ہے"۔

اب ایک یہ ضروری سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا از روئے کلامِ الٰہی خدا تعالیٰ اپنی الٰہی ذات الٰہی ہستی اور شخصیت کے یقینِ کامل کے لیے اپنے برگزیدوں کو اپنی الٰہی ذات و صفات کے ظہور و تجسم پر قادر ہے یا نہیں؟

برکت اے خال

فلسفۂ وحدت الوجود

(اہلِ ہنود)

عقیدۂ وید کے مطابق تمام جمادات، نباتات، حیوانات اور ارواح اُسی برہم دیوتا میں سے برآمد ہوئے ہیں۔ تمام مادی اور غیر مادی اشیا، برہم دیوتا کے اجزا ہیں۔ تمام جگت ایک ہی برہم دیوتا ہے۔ برہم دیوتا سگُن اور نرگُن ہے۔ اُس کی ذات مجموعہ صفات ہے سگُن اور نرگُن ماننے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ذی صفات بھی ہے اور لاصفات بھی ہے۔ جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے سب برہم دیوتا ہے۔ برہم ہی خالق اور برہم ہی مخلوق ہے۔

وحدت الوجود کے متعلق ویدوں کی یہ تعلیم سراسر ناتسلی بخش ہے، کیونکہ خالق اور مخلوق، فاعل اور مفعول، صانع اور مصنوع میں کسی طرح کا امتیاز نہیں پایا جاتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برہم دیوتا ایک بے سیرت اور بے تشخص ہستی ہے، پس ظاہر ہے کہ ویدوں کی تعلیم میں خدا کا تصور سراسر فرضی بلکہ بالکل غیر یقینی ہے،

ہمہ اوست عقیدہ یہی ہے کہ مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے۔ کائنات خالق ہے اور خالق کائنات ہے۔ اہلِ ہنود کے اس عقیدہ کی کمزوری کے سبب اُن میں ہزارہا اوتار مانے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے عقیدہ، تصورِ خُدا اور الٰہی وحدت میں کثرت الٰہ موجود ہے۔ اور اُن کے پرماتما (خدا) کی ذات و صفات کے متعلق اُن کے اس عقیدہ کی بنیادی کمزوری کے سبب اُن میں مخلوق پرستی یعنی بُت پرستی بڑی عام ہے۔ پھر اہلِ ہنود میں نجات کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اُن کا کوئی نجات دہندہ نہیں۔ وہ نجات ہمیشہ کی زندگی اور فردوسِ بریں کے ابدی آرام کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ وہ اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے ہر طرح کی سخت سے سخت تپسیا اور ریاضت کرتے ہیں۔ اور اپنے بدن کو سخت اذیت

پہنچاتے ہیں۔ اور دِل کھول کر خیرات بھی کرتے ہیں وہ اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کی خاطر بعض اوقات انسانی جانوں کی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ ہر جاندار اور بے جان شے میں برہم دیوتا موجود ہے۔ اس لیے وہ گائے۔ بیل، سانپ، سورج، چاند، پتھروں، درختوں، آگ اور پانی کو بھی پُوجتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ہر انسان کو ۸۴ لاکھ جُونوں میں جنم لینے کے بعد نروان یعنی مکتی حاصل ہوگی۔ وہ بار بار اچھی انسانی جیون میں جنم حاصل کرنے کے لیے ریاضت، بندگی اور دان کرتے ہیں۔ گیا اور متھرا جیسے مختلف مقامات پر جاکر تیرتھ زیارت اور پانی میں اشنان (غسل) کرنے میں مکتی خیال کرتے ہیں۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے جانور اور ایک کیڑے مکوڑے کو مارنا بھی گناہِ کبیرہ یعنی پاپ خیال کرتے ہیں۔ اُن کے بعض اخلاقی اصُول اور مذہبی رسومات اگرچہ بڑی دلچسپ اور قابلِ قدر ہیں۔ لیکن خدا کے کلام میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

"ایسی بھی راہ ہے جو انسان کو سیدھی معلوم ہوتی ہے۔ پر اُس کی انتہا میں موت کی راہیں ہیں۔" (بائبل مُقدس کتاب اِمثال ۱۴:۱۲)

فلسفۂ وحدت الوجود

(اہلِ یہود)

بائبل مُقدس کے مطابق یہودی مذہب میں خُدا کے بے شمار قابلِ تعریف ذاتی اور صفاتی نام موجود ہیں۔ جن میں سے چند نام یہ ہیں، مثلاً یاہ، یہوداہ، خُداوند، خُدا تعالیٰ، اللہ، خُدائے قادر، قادرِ مطلق، کبریا، ستودہ، ایلی، الوہی، ربّ الافواج یعنی جنگ میں فتح دینے والا زور آور، مالک، خالق، رازق، ربّ، باپ، نجات دینے والا، ازلی، ابدی، اوّل و آخر، ہمہ دان، غیر فانی، عظیم، محمود، رُوح، نُور، آگ، راست، عادل، کامل، مُہیب، غیوّر، قدّوس، بزرگ، پاک، لامحدود، وفادار، مددگار، لاتبدیل، چوپان، نگہبان، محافظ، شافی، شفقت میں غنی، چٹان، قلعہ، حاکم، رحیم و کریم، خدائے واحد، حیُّ القیوم (دانی ایل ۱۲:۷، ربّ العالمین میکاہ ۴:۱۳)

یہُودی مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ خدا سے ڈرو، "خدا کا خوف دانائی کا شروع ہے"۔ خدا بھسم کرنے والی آگ ہے۔ وہ اُس نُور میں رہتا ہے جہاں انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی، وہ اُس نُور میں اور آسمانوں کی بلندیوں پر تخت نشین ہے، جہاں لاکھوں لاکھ فرشتے رات دن بغیر آرام کیے قادرِ مطلق کی حمد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے مُقدسوں کی مشکل میں بوقتِ ضرورت الہام و پیغام کے علاوہ اپنا جلوہ اور ظہور فرماتا ہے۔ اُن سے ہمکلام ہوتا ہے، توراتِ شریف میں لکھا ہے کہ خدا نے آگ کے شعلہ میں ظاہر ہو کر بزرگ مُوسیٰ سے کلام کیا۔ اور بنی اسرائیل قوم کو فرعونِ مصر کے ظلم و تشدد سے نجات اور رہائی کے لیے اس کے شاملِ حال ہونے کی خوشخبری سُنائی (بائبل مُقدس کتابِ خروج ۳:۲) خدا تعالیٰ اپنی اسرائیلی قوم کو اپنے دیدارِ الٰہی کے لیے کوہِ سینا کی چوٹی پر اُترا۔ اور خداوند نے پہاڑ کی چوٹی

پر بزرگ موسیٰ کو بُلایا۔ (کتابِ خروج ۱۹:۲۰)

بزرگ موسیٰ نے لوگوں کو فرمایا کہ وہ پہاڑ کے گرداگرد جمع ہو جائیں تا کہ ان کو "خدا سے ملاتے اور وہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوتے، اور کوہِ سینا اُوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا۔ کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اُس پر اُترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اُوپر کو اُٹھ رہا تھا۔ اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔"

کتابِ خروج ۱۹:۱۷-۱۸)

اور سب لوگوں نے بادل گرجتے اور بجلی چمکتے اور قرنا کی آواز ہوتے اور پہاڑ سے دھواں اُٹھتے دیکھا اور جب لوگوں نے یہ دیکھا تو کانپ اُٹھے اور دُور کھڑے ہو گئے اور موسیٰ سے کہنے لگے تُو ہی ہم سے باتیں کیا کر اور ہم سُن لیا کریں گے۔ لیکن خُدا ہم سے باتیں نہ کرے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں۔ مُوسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ تم ڈرو مت کیونکہ خدا اس لیے آیا ہے کہ تمہارا امتحان کرے۔ اور تم کو اُس کا خوف ہو تا کہ تم گناہ نہ کرو۔" (کتابِ خروج ۲۰:۱۸-۲۰)

بزرگ موسیٰ نے توریت میں لکھا ہے کہ خداوند ابرام کو دکھائی دیا:-

۱۔ "اور ابرام اُس ملک میں سے گزرتا ہُوا مقامِ سِکم میں مورہ کے بلوط تک پہنچا۔ اُس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے۔ تب خُداوند نے ابرام کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک مَیں تیری نسل کو دوں گا اور اُس نے وہاں خداوند کے لیے جو اُسے دکھائی دیا تھا ایک قُربان گاہ بنائی۔" (کتابِ پیدائش ۱۲:۶-۷)

۲۔ خُداوند یعقوب کو دکھائی دیا "اور یعقوب بیرسبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا۔ اور ایک جگہ پہنچ کر ساری رات وہیں رہا کیونکہ سُورج ڈُوب گیا تھا اور اُس نے اُس جگہ کے پتھروں میں سے ایک اُٹھا کر اپنے سرہانے دھر لیا اور اُسی جگہ سونے کو لیٹ گیا۔ اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے اور اُس کا سِرا آسمان

تک پہنچا ہُوا ہے اور خدا کے فرشتے اُس پر سے چڑھتے اُترتے ہیں اور
خُداوند اُس کے اُوپر کھڑا کہہ رہا ہے کہ مَیں خُداوند تیرے باپ ابرہام کا خُدا
اور اِضحاق کا خُدا ہُوں۔ مَیں یہ زمین جِس پر تُو لیٹا ہے تجھے اور تیری نسل کو
دُوں گا۔"
(کتاب پیدائش ۲۸: ۱۰-۱۳)

یہُودی مذہب میں خُدائے واحد یعنی توحیدِ الٰہی اور غیوُر خدا کی تعلیم موجود ہے، وہ شِرک اور بُت پرستی کے سخت خلاف ہیں۔ اور وہ بُت پرستی کے خلاف ہر طرح کی سخت طاقت کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔ اُن کو ابتدا سے یہی تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ خُدا ازلی ابدی ہے۔ کل کائنات اور ساری موجودات مخلوق ہے ہماری مخلوقات حادث فانی اور زوال پذیر ہے، خالق اور مخلوق۔ صانع اور صنعت کی حقیقت اور ماہیت ہرگز ہرگز برابر نہیں ہے، اہلِ یہُود فلسفۂ وحدت الوجُود کے قائل ضرور ہیں، لیکن وہ تصوف کے فنا فی اللہ اور ہمہ اوست عقیدہ کے سخت مخالف ہیں۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ انسان کی ہستی عرفانِ الٰہی میں خدا کے ساتھ مُتحد ہو کر ذاتِ خُداوندی میں غرق ہو سکتی ہے، یہودی کٹر موحد ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ: اِصرف یہودی قوم کا خدا ہے۔ اور وہ دوسری قوموں کا مخالف ہے، وہ مُوسوی شریعت کی تعمیل پر بڑا زور دیتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ موسوی شریعت کی تعمیل میں ہماری نجات ہے۔ وہ حرام حلال، ختنہ، شرعی رسُومات، دہ یکی یعنی خیرات، دُعا نماز، قربانی اور روزوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ وہ سال بہ سال یروشلم شہر میں بزرگ سلیمان کی تعمیر کردہ ہیکل میں جا کر قربانی اور دُعا کو بڑی خاص اہمیت دیتے تھے۔ ہیکل کی طرف قبلہ رُو ہو کر دُعا عبادت کرنا اُن کا مذہبی دستُور ہے۔ بائبل مُقدس کی پہلی پانچ کتابیں جن کو بزرگ موسیٰ نے بذریعہ الہام قلمبند کیا تھا یعنی کتاب "پیدائش" "خروج"۔ "احبار"۔ "گنتی" اور "استثنا" یہ توریت کہلاتی ہیں یہودیوں کے لیے توریت شریف ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں مُلکی اور دیوانی شریعت، تعزیری فوجداری شریعت، جائداد اور وراثت کے حقوق،

شہری اور مذہبی حقوق، عدالتی تنظیم اور طریقِ کار (یعنی قاضیوں کی تقرری، فرائض گواہوں کے فرائض) انسانی ہمدردی کے آئین، مذہبی اور سیاسی شریعت، حقوق العباد، والدین، بچّوں، بیواؤں، یتیموں، غریبوں اور قرضداروں، مجرموں اور رشتہ داروں کے حقوق، قربانیوں کے لیے موزوں جانور، مختلف طریقوں کی قربانیاں، مذہبی جنتری، ختنہ اور عیدیں، شریعت کے بارے میں عام ہدایات، شریعت کی کتابت یعنی نوشت وخواند، اُس کا حفظ کرنا کرانا سب کچھ بہ تفصیل موجود ہے۔

(پڑھیئے "موسوی شریعت" مصنفہ پادری کے ایل ناصر- پی آر بی ایس لاہور)

یہودی از روئے توریت اور کُتبِ انبیاء۔ ایک عہد کے رسُول، موعودہ نبی یعنی مسیح مُنجیِ عالمین کی آمد کے تو عرصہ دراز سے منتظر ہیں۔ لیکن وہ ہمارے خداوند یسُوع مسیح کو موعودہ نبی، رسُول مُنجیِ عالمین اور اس کے پیش کردہ فلسفۂ وحدت الوجُود اور پاکیزہ تعلیمات کو راہِ عمل تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ کسی انسانی ہستی میں خدا کے ظہور و تجسّم کو تسلیم وقبُول کرنے کو تیار نہیں۔ نہ ہی خدا کے ساتھ انسان کے میل ملاپ کے حامی ہیں۔ لیکن یہُودی قوم کے جن جن مذہبی علماء۔ اور عوام نے از روئے بائبل مُقدس بعد از تحقیق وتفتیش ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کی شخصیت، سیرت، مزاج، اخلاق و کردار، اُس کے جذبۂ محبت وخدمت، خُلقِ عظیم، اور اس کی ذات وصفات پر غور و فکر کیا۔ اُنہوں نے بصد شوق برضا و رغبت ہمارے خُداوند یسُوع مُنجیِ عالمین مسیح مصلُوب پر ایمان لا کر الٰہی راہِ نجات اختیار کر لی۔ جن میں اوّل اوّل مسیح خداوند کے برگزیدہ شاگرد تھے۔ جن کو اُس نے رسُول کا لقب دیا۔ اور جن کے وسیلہ سے اکنافِ عالم میں انجیلِ مُقدس کی بشارت وکتابت عمل میں آئی۔ اور ہزارہا اسرائیلی اور غیر اقوام نے مسیحی جماعت میں شمولیت اختیار کی اور جب یروشلم شہر میں مسیح یسُوع مصلُوب کیا گیا تھا اور پھر جی اُٹھا تھا اُسی یروشلم شہر کے بازاروں میں مسیح مصلُوب کے شاگردوں نے مسیح مصلُوب کی منادی کی اور ایک دن میں تین ہزار کے قریب یہودی اسرائیلی لوگ مسیح مصلُوب پر ایمان لا کر مسیحی جماعت میں شامل ہو گئے۔

دورِ حاضرہ کے اسرائیلی یہودی قوم کا وہ بقیہ ہیں جنہوں نے تاحال مسیح خداوند "منجی عالمین" کو قبول نہیں کیا۔ لیکن از روئے انجیلِ مُقدّس ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب اسرائیلی قوم ہمارے خداوند مسیح مصلوب منجیِ عالمین پر ایمان لاکر نجات کی وارث ہوگی۔ اور اُس وقت مسیح خُداوند کی آمدِ ثانی کا وقت بالکل قریب ہوگا۔

فلسفۂ وحدت الوجُود

(افلاطون)

افلاطون کے فلسفۂ وحدت الوجُود سے متعلق پانچ اصُول :-

۱۔ "وجود" دراصل واحد ہے۔ اور وُہی "وجود واحد" دیگر جُملہ موجودات کا منبع ہے۔ تمام کائنات بطریقِ تجلّی اسی "وجودِ واحد" سے نکلی ہے۔ اور اُس کا انجام کار لوٹ کر اسی "وجودِ واحد" میں محو ہو جانا ہے، گویا اس وجودِ واحد کے سوا کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے۔ وہ صرف اس "وجودِ واحد" کی نمود ہے۔ وہ خود کوئی مستقل وجُود نہیں رکھتا۔

۲۔ خُدا تعالیٰ عین کائنات ہے۔ یعنی خُدا تعالیٰ خود ہی کائنات ہے۔ گویا حقیقت میں "خُدا" اور "کائنات" ایک ہی ہے۔ خدا کو کسی صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ خُدا کے لیے ہر تعبیر از قبیل "وجُود" "موجود" "جوہر" و "حیات" ناقص ہے وہ اُن تمام صفات اور تعبیرات سے منزہ ہے۔ اُس کو کسی طرح بھی تصوّر میں نہیں لایا جا سکتا۔ وہ ہر توصیف و تعبیر سے بالا ہے۔

۳۔ "خُدا" کے بارے میں "فکر" کو عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لیے کہ "فکر" دو چیزوں کا مستلزم ہے۔ فکر کرنے والا اور وہ چیز جس پر فکر کی جائے، نیز "فکر" اس امر کا مستلزم ہے۔ کہ "فکر کرنے والا" کسی حالت کا طالب ہو۔ علاوہ اس حالت کے جو خود اس کے اندر موجود ہے۔ اور یہ امر "دوئی" کا مستلزم ہے۔ جو "خدا" کی وحدانیت کے بنیادی عقیدہ کے خلاف ہے۔

۴۔ "خدا" "واجب الوجُود" ہے۔ اور بنفسہٖ "کامل" ہے اور ہر قسم کے تجزیہ اور تعدد سے بری ہے۔ وہ جُملہ اشیا کو محیط ہے۔ وہ لامحدود ہے۔ اُس کی طرف ہر نسبت

عقیدۂ توحید کے خلاف ہے۔ اُس کی طرف علم و ادراک کی نسبت بھی غلط اور منافیِ توحید ہے۔ اس لیے کہ خود اس کے بغیر کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ کہ معلوم و مدرک ہو۔
۵۔ حِس و عقل کے ذریعہ خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی، اس کے لیے "مشاہدہ" اور ذوق و شوق لازمی ہے۔

چار سو سال قبل از مسیح اس یُونانی مفکر افلاطُون نے کہا کہ انسان کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خُدا کی ذات سے مُشابہ بننے کی کوشش کرے۔

ایک یُونانی مُفکر ہُومر نے ایک ہزار سال قبل از مسیح بیان کیا کہ دیوتا بھی انسانوں ہی کی طرح ہیں۔ وہ بے حد مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اُنہیں موت بھی نہیں آتی۔ لیکن وہ بڑے جھگڑالُو ہیں۔ اور ایک دُوسرے سے حسد کرنے والے، انسانوں کی طرح گنہگار ہیں۔ یونانی فلسفیوں کے مطابق خدا ایک ایسی شخصیت ہے جو بے نیاز ہے۔

فلسفۂ وحدت الوجود

(اہلِ اسلام)

اسلام کی اصلی اور بنیادی تعلیم توحید ہے، علمائے اسلام اللہ تعالےٰ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کی تعداد ننانوے (۹۹) بتاتے ہیں۔ سُورہ حشر میں کچھ نام یہ ہیں: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا۔ اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ رحمٰن الرحیم ہے، ملک القدوس یعنی پاک بادشاہ ہے۔ امن دینے والا، نگہبان، جبّار، زبردست، متکبر، خالق، مصور، الحکیم۔

قرآن مجید میں تصورِ خُدا کا ذکرِ خیر ان الفاظ میں آیا ہے کہ:-

"اللہ نُور ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا۔ مثال نُور اُس کے کی مانند طاق کی ہے۔ کہ بیچ اس کے چراغ ہو۔ وہ چراغ بیچ قندیل شیشہ کے ہے۔ وہ قندیل شیشہ کا، گویا کہ وہ تارا ہے چمکتا، روشن کیا جاتا ہے۔ وہ چراغ۔ درخت مبارک زیتون کے سے۔ کہ نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف ہے۔ نزدیک ہی تیل اس کا روشن ہو جاوے۔ اور اگرچہ نہ لگے اُس کو آگ۔ روشنی اوپر روشنی کے۔ راہ دکھاتا ہے اللہ طرف نُور اپنے کی جس کو چاہتا ہے، اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں واسطے لوگوں کے اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔" (سُورہ نُور ۳۵)

(ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی)

اور فرشتے ہوں گے اُوپر کناروں اس کے کے اور اٹھا دیں گے عرش رب تیرے کا اُوپر اپنے اس دن آٹھ شخص"۔ (سورہ حاقہ، آیت)

ان آیات سے انسانی دِل و دماغ میں خدا کے نُور و ظہور کا خیال متصوّر ہوتا ہے۔
ڈاکٹر ابوسعید نورالدین رسالہ "اقبال ریویو" اقبال اکادمی پاکستان کراچی جولائی ۱۹۶۲ء میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اسلامی تصوف میں "وحدت الوجود" کا فلسفہ "نو افلاطونیت" سے داخل ہُوا ہے۔ فلسفۂ "نو افلاطونیت" قدیم یونانی فلسفی افلاطون (۳۴۷ ق م) کے افکار و خیالات کی شرح و تفسیر میں تیسری صدی عیسوی میں ایک مستقل اسکول کی شکل میں وجُود میں آیا ہے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی اصلی اور بنیادی تعلیم توحید ہے۔ آنحضرت نے لوگوں کو سب سے پہلے اسی عقیدۂ توحید کی طرف دعوت دی۔ ایامِ جاہلیت میں اہلِ عرب تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی دعوتِ توحید اسی کثرت کا ردِ عمل تھا۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ جن متعدد مصنوعی خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو۔ وہ سب باطل ہیں۔ حقیقی خدا صرف ایک ہے۔ اور وہی حقیقی پرستش کے لائق ہے۔ لیکن چونکہ فلسفۂ نو افلاطونیت کا نظریہ "وحدت الوجود" اسلام کے عقیدۂ توحید سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) میں صوفیائے اسلام نے اُسے اپنایا۔ اور اسی کو توحید کا باطنی پہلو تصور کر کے اسلامی تصوف کا لازمی جُزو قرار دیا۔ انھوں نے اس کی ایک ایسی نئی تاویل کی جو ابتدائے اسلام میں موجود نہ تھی۔ اور اس کی ایسی ایسی توضیحات و تعبیرات پیش کیں کہ تاریخ تصوفِ اسلام میں یہ ایک مستقل باب بن گیا۔"

"الکندی (۲۷۰ ہجری/ ۸۸۳ عیسوی) پہلا شخص ہے۔ جو مسلمانوں میں فلسفی کے نام سے مشہور ہُوا۔ وہ افلاطون کا پیرو اور اس کے فلسفہ کا شارح تھا۔ اس کے بعد فلسفۂ افلاطون کے اور بہت سے مفسرین پیدا ہوتے۔ جن میں الفارابی (۳۳۹ھ، ۹۵۰ء) ابنِ مسکویہ (۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء) اور ابنِ سینا (۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء) زیادہ

مشہور ہیں"

"اسلامی تصوف کی تاریخ میں وہ پہلے بزرگ جن کی ذات سے نظریہ "وحدت الوجود" کے خیالات منسُوب ہیں۔ ذوالنون مصری (۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) ہیں۔ ظہورِ اسلام سے بہت پہلے اسکندریہ میں فلسفہ "نو افلاطونیت" اپنی ترقی کے منازل طے کر چکا تھا۔ اور ذوالنون مصری کے عہد تک اُس کے اصُول وہاں عام طور پر رائج تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ بھی اسی فلسفہ "نو افلاطونیت" سے متاثر ہوتے۔ وہ بڑے روشن خیال فلسفی اور کیمیا دان تھے۔ تصوف میں بھی اُن کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ فلسفہ نو افلاطونیت کے افکار و خیالات میں سے سب سے زیادہ وہ نظریہ "وحدت الوجود" سے متاثر ہوتے۔ اور اس کو اسلامی تصوف میں سمویا۔

اُن کا ایک قول ہے:

"اللہ سے جو محبت کی جاتی ہے، وہ انسان کو انجام کار اس سے مُتحد کر دیتی ہے، انسان ذاتِ خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے، اُس کی ذات اپنی ذات نہیں رہتی۔ بلکہ ذاتِ خداوندی کا ایک حصّہ بن جاتی ہے۔"

مُسلمان مفکرین میں شیخ محی الدین عربی (۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ "وحدت الوجود" کو نہایت وضاحت کے ساتھ اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ اُن کی کوششوں سے اس مسئلہ سے متعلق فلسفہ "نو افلاطونیت" کے اصُول اسلام میں داخل ہوتے۔ وہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ "فتوحاتِ مکیہ" اور "فصوص الحکم" ان کی مشہور تصانیف میں سے ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب میں انہوں نے "وحدت الوجود" پر مفصل بحث کی ہے۔ توحید کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہے کہ:-

"وجود واحد ہے۔ اور مخلوقات کا وجود عین وجودِ خالق ہے، حقیقت کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص خالق اور

مخلوق کے وجود میں امتیاز کا قائل ہے۔ وہ اس حقیقت کے ادراک
سے ناآشنائے محض ہے۔"

محی الدین عربی اس بات پر غایت اذعان و الیقان کے ساتھ مُصر ہیں۔ کہ "وحدت الوجود" ہی دراصل اسلام کی حقیقت ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں انہوں نے قرآن اور حدیث سے متعدد دلائل و شواہد پیش کیے۔ وہ کہتے ہیں،

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد۔

(اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں) سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا خود بندہ کے اعضاء و جوارح ہے۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے۔

خَلَقَ الْاٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔

(آدم کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا)

اُن کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان میں خُدا کی تمام صفات موجود ہیں۔ درحقیقت یہ اس کی صفات ہیں۔ جن کا ظہور انسان میں ہُوا ہے، اس لحاظ سے انسان گویا صفاتِ الٰہیہ کا مُجسمہ ہے۔"

"بایزید بسطامی (۲۶۱ھ/۸۷۵ء) نے "وحدت الوجُود" سے متعلق گوناگوں افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقوال اُن سے منسوب ہیں:۔

۱۔ ایک بار مَیں نے اس کی بارگاہ میں مناجات کی۔ خُدایا تجھ تک رسائی کیسے ہوگی؟ آواز آئی۔ بایزید پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے۔ پھر ہمارا نام لے۔"

۲۔ "سانپ کی کینچلی" اُتارنے کی مانند جب مَیں بایزید سے نکلا تو دیکھا۔ عاشق و معشوق دونوں ایک ہی (ذات کے دو جلوے) ہیں۔ کیونکہ توحید کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جاسکتا ہے۔"

۳۔ سبحانی ما اعظم شانی (تعریف میری ہی ہے کیا بڑی ہے شان میری) یعنی وہ خدا کی ذات میں اس قدر محو ہو گئے کہ ان کو اپنی ہستی کا احساس ہی باقی نہ رہا۔ اور اپنے آپ کو ہستی مطلق کا عین پایا۔ اس لیے ان کے مُنہ سے

اس قسم کا قول بے ساختہ صادر ہو گیا۔"

علامہ اقبال نے وحدت الوجود کے اثرات کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ مولانا اسلم جیراج پوری کو ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:۔

"تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اُولیٰ میں پایا جاتا ہے) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے ——— اور نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے۔ تو میری رُوح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے" (انہوں نے توحید کو انسان کے لیے ایک مثالی اخلاقی قوت کے رُوپ میں پیش کیا ہے۔ نوائے وقت ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۷۲ء)

اسی بنا پر انہوں نے شیخ محی الدین ابنِ عربی پر نہایت تلخ لہجہ میں تنقید کی۔ سراج الدین پال کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے۔ جس نے "لمعات" میں "خصُوص الحکم" محی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ خصوص میں سوائے الحاد اور زندقہ کے اور کچھ نہیں۔"

صُوفیا نے نظریہ وحدت الوجُود کی رُو سے معرفتِ خداوندی کے لیے یہ تلقین کی کہ انسان اپنی خودی کو ذاتِ خداوندی میں فنا کر دے۔ لیکن اس کے برخلاف علامہ اقبال نے یہ تعلیم دی کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ پر عمل پیرا ہو کر اپنی "خودی" کا صحیح احساس اور اس کی کماحقہ معرفت حاصل کرے۔

جناب علامہ اقبال لِکھتے ہیں:۔

"اسلام کی رُوح توحید ہے۔ اور اس کی ضد کثرت نہیں بلکہ شِرک ہے۔ خُدا انسان اور کائنات کا خالق ہے۔ اس نے امر "کُن" سے ان دونوں کو پیدا کیا ہے۔"

تاہم علامہ اقبال کی ذاتِ گرامی ذاتِ الٰہی کے ظہور و تجسّم اور دیدار و نیاز کے لیے بے قرار نظر آتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

فلسفۂ تصوف کی حمایت میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کار کشا، کار ساز

جناب خواجہ کمال الدین جماعتِ احمدیہ لاہور اپنی ایک کتاب "تمدنِ اسلام" میں لکھتے ہیں۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ خالقِ فطرت کی حقیقت مجہول الکنہ ہے، اس کے متعلق جو کچھ علم ہم کو حاصل ہوا ہے۔ وہ ان صفات ہی کی بدولت ہوا۔ جو مختلف مذاہب نے اُس ذاتِ برتر کے متعلق بیان کیا ہے، کیونکہ توحید کے معنی صرف یہی نہیں کہ خدا کو ایک مان لیا جائے بلکہ اصلی معنی یہ ہیں کہ انسان کے اخلاق میں اخلاقِ خداوندی کے سوا کسی اور مخلوق کے اخلاق نہ پائے جائیں۔ ہم لاکھ دفعہ خُدا کو ایک مانیں لیکن اگر ہمارے اعمال میں صفاتِ خداوندی کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ یا ہمارے اخلاق، ربانی اخلاق کے نقیض واقع ہوئے ہیں تو یہ وہ شرکِ عظیم ہے۔ جس کا فکر آنحضرت صلعم کو بھی اپنی قوم کے متعلق لگا ہُوا تھا۔"

کتاب خروج کے باب بستم میں جہاں دس احکام کا ذکر ہے وہاں چوتھی آیت میں لکھا ہے کہ تُم خدا کے سوا اور خُدا کو نہ پوجو۔ کیونکہ مَیں غیوُر خُدا ہُوں۔ مَیں اپنے خلاف گناہ کی سزا چار نسلوں تک دیا کرتا ہُوں۔" (بائبل مقدس)

مُشرک : جناب مولانا محمد اسمٰعیل شہید ۱۸۹۳ء اپنی ایک کتاب "تقویۃ الایمان" صفحہ ۳۰ پر یوں رقمطراز ہیں کہ :۔

"جو کوئی کسی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصل مُشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اُس نے خُدا کے معنی کچھ بھی نہ سمجھے اور اُس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حُکمِ کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور (رسول)... ... کے برابر پیدا کر ڈالے۔"

جناب مرزا غلام احمد قادیانی "اسلامی اصُول کی فلاسفی" صفحہ ۳۷ میں لکھتے ہیں :۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا۔ اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر و علےٰ ہذا القیاس۔ اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دُنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو۔ اور غیر متناہی ہو۔ تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس پر اس تمام کی انتہا ہے۔ وہی خُدا ہے۔"

آپ ذرا غور کریں۔ کہ مرزا جی نے ذاتِ خداوندی کی حقیقت، ماہیت اور شخصیت بیان کرنے میں کتنا بے معنی فلسفۂ وحدت الوجود پیش کیا ہے۔ کیا مرزا جی کے اس فلسفۂ وحدت الوجُود کی تعریف سے کسی کے پلے کچھ پڑ سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تصورِ خُدا اور الٰہی فلسفۂ وحدت الوجُود کے بارے میں مرزا جی کا علم بڑا محدود تھا ورنہ وہ اپنے خواب و خیال کو الہامی مکاشفات کہنے کی کبھی جُرأت، دلیری، اور جسارت نہ کرتے اور نہ ہی وہ کلامِ الٰہی یعنی بائبل مُقدس کی آیات کی من مرضی غلط تشریحات اور تاویلات کی جُرأت کرتے۔ کیونکہ انجیلِ مُقدس میں پطرس رسول نے یُوں لِکھا ہے کہ :۔

"اور ہمارے پاس نبیوں کا وہ کلام ہے جو زیادہ مُعتبر ٹھہرا اور تُم اچھا کرتے ہو جو یہ سمجھ کر اُس پر غور کرتے ہو کہ وہ ایک چراغ ہے جو

اندھیری جگہ میں روشنی بخشتا ہے جب تک پو نہ پھٹے اور صبح کا ستارہ تمہارے دلوں میں نہ چمکے۔ اور پہلے یہ جان لو کہ کتابِ مُقدس کی کسی نبوت کی بات کی تاویل کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں۔ کیونکہ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی رُوح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔" (۲-پطرس ۱: ۱۹-۲۱)

"ضرورتِ انبیاء" کے عنوان پر مرزا جی لکھتے ہیں کہ:-

"توحید کا مُوجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا مظہرِ اُتم صرف نبی ہی ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ خُدا ہے۔"

اگر مرزا جی تصورِ خُدا۔ الٰہی ذات وصفات اور الٰہی فلسفۂ وحدت الوجود کی عظمت اور اس کی گہرائیوں کو جانتے تو وہ بخوفِ خدا ذاتِ الٰہی کی برابری کے دعویٰ کی کبھی بھی جُرأت نہ کرنے پاتے کہ:-

مَیں ابنُ اللہ اور عینُ اللہ ہُوں۔

" ایتنی فی المنام عین اللہ (آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عین اللہ ہُوں۔"

"ایت منی بمنزلۃِ ولدی" میں ابن اللہ ہُوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ "عقیدۂ توحید" اور "وحدت الوجُود" کے متعلق اہلِ اسلام عُلماء کے تصورات اور نظریات میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔

(۱) نظریہ ہمہ اوست یہ ہے کہ:-

"مخلوقات کا وجود عین وجُودِ خالق ہے۔"

(۲) نظریہ فنا فی اللہ سے مُراد ہے کہ:-

"عاشق ومعشوق دونوں ایک ہی ذات کے دو جلوے ہیں۔"

اس نظریہ وحدت الوجُود میں کثرت لازم آتی ہے۔

اِسلام میں عقیدۂ توحید، اسلامی رسومات، اسلامی شریعت کی تعمیل، پانچ ارکان اور اعمالِ حسنہ پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ اور ان مذکورہ امور کو ہی اسلام میں نجات کا واحد اور اُتم وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن خُداوند یسُوع مسیح کی طرح کوئی ایسی مُقدس نورانی بے عیب بے داغ عظیم ہستی نظر نہیں آتی۔ جس نے علی الاعلان الٰہی تقاضائے محبت و عدل و انصاف کے ملحوظِ خاطر منجیِ عالمین ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ جس نے گنہگاروں کا فدیہ اور کفارہ ادا کیا ہو۔ جس نے نجات کی کامل تسلی کے لیے دعوتِ عام کا اعلان کیا ہو کہ میرے پاس آؤ مَیں تم کو آرام اور نجات دُوں گا۔

قرآن مجید میں مسئلہ نجات پر چنداں وضاحت نہیں کی گئی۔ کیونکہ نجات دہندہ اور نجات دونوں لازم وملزوم ہیں۔ تاہم اسلام میں کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی، حج اور اعمالِ صالح کا ایک ہی مقصدِ عظیم ہے کہ انسان روزِ محشر میزانِ عدل کے وقت آتشِ دوزخ وجہنم کے عذابِ آخرت سے بچ کر جنت میں داخل ہو جاتے۔ اور جنت کی لذیذ نعمتوں سے لُطف اندوز ہو۔ اسلام میں حصُولِ نجات کی یہی تعریف ہے۔ گویا اسلام میں نجات کے حصول کا سارا دار ومدار خود انسان کی ذاتی کوشش اور اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر منحصر ہے۔

فلسفۂ وحدت الوجود

(مسیحیت)

بائبل مُقدس کی کتاب توریت شریف اور زبور شریف، نبیوں کے صحیفوں اور انجیلِ مُقدس میں خدا تعالیٰ کے لیے اندازاً ایک ہزار نام آئے ہیں لیکن مسیحی دُنیا از روئے بائبل مُقدس خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک، خدائے قادرِ مطلق، خالقِ کائنات، رازقِ کُل جہان اور ربُّ العالمین تسلیم و قبول کرتی ہے۔ خُدائے واحد کے صدہا ذاتی اور صفاتی ناموں پر اُن کا ایمان اور یقینِ محکم ہے لیکن مسیحی دُنیا خدا کے ایسے تمام صفاتی نام جن سے اِنسان کے دِل میں خدا کے متعلق دہشت، ہیبت، ڈر، خوف، جُدائی، بے نیازی اور دُوری پیدا ہوتی ہے۔ اُن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی اعلیٰ ترین رُوحانی اور اخلاقی پاکیزہ صفات پر زیادہ زور دیتی ہے، جن میں خدا تعالیٰ کی پدرانہ محبت کی عظمت سرِ فہرست ہے کیونکہ محبت کی عظمت میں خُدائے محبت کا جلال، خُدائے رحیم کے فضل و کرم کا کمال، نجات کی خوشخبری اور قُربِ الٰہی کی دعوتِ عام پائی جاتی ہے مسیح یسُوعؑ مجسم خدائے محبت ہے۔ وہ سب قوموں کے لیے خدا کی محبت، خدا کے رحم، خدا کے فضل کی بخشش کا پیغامِ حق لے کر دُنیا میں آیا تھا بلکہ گناہوں کی معافی ہمیشہ کی زندگی اور خدا کے ساتھ میل ملاپ کا پیغامِ حق و صداقت لے کر دُنیا میں ظاہر ہُوا تھا مسیح خُداوند نے خُدا اور اِنسان کے درمیان صلح، معافی، میل ملاپ اور ہمیشہ کی زندگی دینے کے لیے ایک بے مثل کارِ عظیم اپنی مصلُوب و مقتول زندگی کے وسیلہ سے انجام دیا ہے۔

روزِ اوّل خدا تعالےٰ خالقِ کائنات نے ابُو البشر کو اپنی صُورت و شبیہ کی مانند پیدا کیا۔ اور اُس کو اس حقیقت کا انکشاف بخشا۔ کہ مَیں خدائے واحد ہُوں میرے سوا

کوئی دوسرا خدا نہیں، بزرگ آدم، بزرگ نوح، بزرگ ابراہیم، بزرگ اضحاق، بزرگ یعقوب، بزرگ یوسف، بزرگ موسیٰ، بزرگ داوٗد، بزرگ سلیمان انبیاء کرام کے علاوہ دوسرے تمام بزرگ انبیاء کرام نے بھی خدائے واحد کی تعلیم دی۔ اور یہ بھی کہ خُدا نے بزرگ آدم کو اپنی صُورت و شبیہ کی مانند پیدا کیا تھا۔ تاکہ خدائے ربّ العالمین اپنے متشابہ صفات حضرت انسان کے ساتھ وقتِ ضرورت مکالمہ و مخاطبہ کر سکے، کیونکہ دو شخصیتوں کے مافی الضمیر کے باہمی اظہار و تفہیم کے لیے متشابہ الصفات ہونا ایک لازمی امر ہے۔ چنانچہ بزرگ داوٗد نے زبور کی کتاب میں خدا کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ :-

"توُہی واحد خُدا ہے۔" (زبُور ۸۶ : ۱۰)

ربّ العالمین خدائے واحد ہر ازل سے ازلی اور ہر ابتداء کی ابتداء ہے، وہ وسعت کی تمام حدود سے آزاد ہے۔ وہ ایک لاانتہا اور لامحدُود ہستی ہے، لیکن اُس کی وحدت ریاضی کے ہر عددی ہندسہ کے تصورات سے بالاتر ہے۔ کیونکہ توحیدِ الٰہی بے حد و بے حساب اور بے مثل ہے، بلکہ توحیدِ الٰہی کا تصور انسانی دِل و دماغ میں بھی نہیں سما سکتا۔ اُس کے نزدیک زمانہ ماضی، حال اور مستقبل سب یکساں ہیں۔ بزرگ داوٗد نے زبور کی کتاب میں فرمایا کہ :-

(۱) "اُس سے پیشتر کہ پہاڑ پیدا ہوتے یا زمین اور دُنیا کو توُ نے بنایا۔ ازل سے ابد تک توُ ہی خُدا ہے۔" (زبُور ۹۰ : ۲)

(۲) "توُ نے قدیم سے زمین کی بنیاد ڈالی۔ آسمان تیرے ہاتھ کی صنعت ہے۔ وہ نیست ہو جائیں گے، پر توُ باقی رہے گا۔ بلکہ وہ سب پوشاک کی مانند پُرانے ہو جائیں گے۔ توُ اُن کو لباس کی مانند بدلے گا۔ اور وہ بدل جائیں گے۔ پر توُ لاتبدیل ہے۔ اور تیرے برس لاانتہا ہوں گے۔"

(زبور ۱۰۲ : ۲۵ - ۲۷)

(۳) ربُّ الافواج یُوں فرماتا ہے کہ :-

"مَیں ہی اوّل اور مَیں ہی آخر ہُوں - اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔"

(یسعیاہ ۴۴ : ۶)

بائبل مُقدّس کی اِن آیات سے ظاہر ہے کہ خُدا کا شروع اور انجام نہیں، خُدا ازلی اور ابدی ہے، لیکن اُس کی ساری مخلوقات اور صنعت کاری ازلی اور ابدی نہیں ہے، ساری مخلوقات فانی ہے ساری کائنات زوال پذیر ہے وہ نیست و نابود ہو جائے گی۔ لیکن خُدا تعالیٰ ابدی اور لاتبدیل ہے، اس کی ہستی لا انتہا ہے۔ اس کے برس ختم نہیں ہوں گے۔ پس صانع اور صنعت کی حقیقت، خالق اور مخلوق کی ماہیت ہر گز ہر گز برابر نہیں، اور نہ انسان کی ذات خُدا کی ذات میں فنا فی اللہ اور مدغم ہو سکتی ہے، کیونکہ خدا خُدا ہے اور انسان اِنسان ہے، خدا انسان نہیں ہے اور انسان خدا نہیں، ہاں خُدا کی ذات ہی خدا کی ذات میں قائم بالذات رہ سکتی ہے۔ بائبل مقدس میں لکھا ہے۔

(۴) "خُدا کی مانند کوئی قدُوس نہیں۔" (۱ سیموایل ۲ : ۲)

"تیری آنکھیں ایسی پاک ہیں کہ

"تُو بدی کو دیکھ نہیں سکتا۔" (حبقوق ۱ : ۱۳)

ہمارے مسیحی تصورِ خدا کی ذات میں کامل اخلاقی کمالات، کامل رُوحانی پاکیزگی، کامل دانائی، کامل حکمت اور کامل قُدرت موجود ہے۔ اس کی ذات میں کامل عدل و انصاف اور رحم پایا جاتا ہے۔ کیونکہ "خُدا عادل ہے"۔ "خُدا محبت ہے" اور اُس کی پدرانہ محبت ازلی ہے۔

(۵) "جیسے باپ اپنے بیٹوں پر ترس کھاتا ہے۔ ویسے ہی خُداوند ان پر جو اُس سے ڈرتے ہیں۔ ترس کھاتا ہے۔" (زبور ۱۰۳ : ۱۳)

ہم خُدائے قہار و جبار کی بجائے یہ مانتے ہیں کہ:۔

"خداوند رحیم و کریم ہے؛
وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے۔" (زبور ۱۴۵ : ۸)

خدا کی بادشاہی کُل عالم ہے، وہ کُل عالمِ موجودات کا بادشاہ ہے۔ اُس کی بادشاہی

ابدی ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہے، وہ خدائے خالق اور صانع کُل کائنات ہے، لیکن کائنات خُدا نہیں اور خدا کائنات نہیں۔ صانع اور صنعت میں، خالق اور مخلوق میں کُلّی مغائرت ہے۔ یہودی قوم کے فقیہوں میں سے ایک نے خداوند یسُوع مسیح سے سوال کیا کہ:۔

"سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟" یسُوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے

اے اسرائیل سُن،
خُداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے۔ اور تُو خداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھو۔
دُوسرا یہ ہے کہ تُو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔" (انجیل مرقس ۱۲ : ۲۸ - ۳۱)

مسیح خُداوند نے خدائے واحد اور برحق کی تعلیم دی اور فرمایا کہ مَیں ہلاک کرنے نہیں بلکہ بچانے اور دُنیا کو نجات اور ہمیشہ کی زندگی دینے کے لیے آیا ہُوں۔ چونکہ وہ اُلوہیت کی معموری سے مجسّم ہو کر دُنیا میں آیا۔ اس لیے اُس نے خدا تعالیٰ کی حقیقی پدرانہ محبت اور اُس کے فضل و کرم کی عظمت اور الٰہی ذات و صفات کا حقیقی مکاشفہ بیان کیا۔ اور خُدا باپ کے ساتھ اپنے رشتہ محبت و اُلوہیت کے بارے میں فرمایا کہ:۔

"مَیں اور باپ (خُدا) ایک ہیں۔" (انجیل یُوحنا ۱۰ : ۳۰)

"میرا یقین کرو کہ مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں۔" (انجیل یوحنا ۱۴ : ۱۱)

یاد رہے کہ نسلِ انسانی کے خلاف جانی اور مالی تخریبی کارروائیاں کرنے والا کوئی شخص اُلوہیت کا مظہر اور محسنِ انسانیت، خیر البشر، مظہرِ خدا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ محسنِ انسانیت کا واحد علمبردار، خیر البشر ہستی اور خُلقِ عظیم کا مالک صرف مسیح خداوند ہی ہے۔ کیونکہ اُس نے بلا امتیاز مذہب و مِلّت اپنے گرد و پیش کے تمام مخالفوں، دُشمنوں، اپنوں اور بیگانوں بلکہ غیر اقوام یونانیوں، گراسینیوں، سور فنیکیوں، اور

سامریوں کے لیے ہمیشہ تعمیری اور ترقی، نیکی اور بھلائی اور شفاء کے کام کیے۔ اُس نے بلا امتیاز ہزارہا بیماروں کو شفا بخشی، اندھوں کو بینائی عطا کی، کوڑھیوں کو پاکیزگی دی۔ مُردوں کو زندگی، مفلوج اور اپاہجوں کو شفا دی۔ بدرُوحوں کو نکالا۔ بھوکوں کو معجزانہ طریق سے روٹی دی، قصورداروں اور گنہگاروں کو نجات کی خوشخبری اور نجات کی حقیقی تسلی عطا کی۔ اُس ازلی خُدا نے قُدوس اور مولُودِ مقدس مسیح مصلوب نے گنہگاروں کی نجات کی خاطر جسمانی اذیتیں برداشت کیں، اور کوڑوں کی مار، صلیبی موت کا دُکھ اُٹھا کر دوسروں کے آرام و نجات کی خاطر دُکھ اُٹھانے کے اُصولِ شہادت اور فلسفہ محبت و قربانی کا ایک زندہ اور عملی نمونہ پیش کیا۔ مسیح مصلوب کی سیرت کے بارے میں اُس کے ایک رسُول پطرس نے لکھا ہے کہ:

"نہ اُس نے گناہ کیا۔ نہ اُس کے مُنہ سے کوئی مکر کی بات نکلی، نہ وہ گالیاں کھا کر گالی دیتا تھا۔ اور نہ دُکھ پا کر کسی کو دھمکاتا تھا۔ بلکہ اپنے آپ کو سچے انصاف کرنے والے کے سپُرد کرتا تھا۔ وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لیے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا۔ تاکہ ہم گناہوں کے اعتبار سے مر کر راستبازی کے اعتبار سے جئیں اور اُسی کے مار کھانے سے تم نے شفا پائی۔" (انجیل خط پہلا پطرس ۲: ۲۲-۲۴)

بلکہ اُس نے اپنے دُشمنوں کے ہاتھوں کوڑوں کی مار کھانے کے بعد جبکہ وہ صلیب کی سخت ترین اذیتوں اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مُبتلا اور جان کنی کی حالت میں بے قرار تھا، تو اُس نے بڑے صبر و تحمل اور برداشت کے ساتھ اپنے مصلوب کرنے والوں اور کروانے والے دُشمنوں کے لیے دُعا سے خیر و معافی کا بے مثل نیک نمونہ پیش کیا اور کہا کہ:

"اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں۔" (انجیل لوقا ۲۳: ۳۴)

چنانچہ مسیحی دُنیا اپنے مُنجی مسیح مصلوب کے مزاج، طبیعت، سیرت اور عظیم

اخلاقی سُنّت اور اُس کی انسانی ہمدردی کے رُوحانی اصُولوں کی معتقد اور اُس کی پیروی میں کوشاں ہے۔ مسیح مصلوب نے فرمایا کہ:

"اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ مَیں تم کو آرام دُوں گا۔ میرا جُوا اپنے اُوپر اُٹھا لو اور مجھ سے سیکھو۔ کیونکہ مَیں حلیم ہُوں اور دل کا فروتن، تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیونکہ میرا جُوا ملائم ہے، اور میرا بوجھ ہلکا" (انجیل متی ۱۱: ۲۸ تا ۳۰)

اُس نے گنہگاروں کی معافی کے لیے کسی سخت شریعت اور رسومات کی تعمیل کا بوجھ لوگوں کے سر پر نہیں ڈالا۔ بلکہ خود دُنیا کے نجات دہندہ نے اُن کے گناہوں کا بوجھ صلیب کی صُورت میں اپنے اُوپر اُٹھا لیا۔ اور رُوحانی اور اخلاقی شریعت کے پاکیزہ اصولوں یعنی رحم، معافی، محبت، قربانی اور کفارہ کا عملی نمونہ دیا۔ جس کا انکشاف صلیب کی تجلیات میں منظرِ عام آیا۔ مسیح مصلوب نے اپنے دُشمنوں کے خلاف انتقامی کارروائی اور کسی مذہبی جنگ کے برعکس اپنے انجیلی کلام ربانی، کلامِ محبت کی قدرت، تاثیر، انسانی ہمدردی کے جذبۂ محبت، خدمت اور اپنی الٰہی حکمتِ عملی اور دانائی سے اُن کو اپنا دوست بنایا بلکہ اُن کو اپنا گرویدہ اور مدح خواں بنایا۔ اُن کو ہر کس و ناکس کے ساتھ بھلائی اور نیکی، انسانی ہمدردی اور پاکیزہ حُسنِ سلوک اور محبت و خدمت کے نیک برتاؤ کی تعلیم دی بلکہ اُس نے ان ساری رُوحانی اخلاقی خُوبیوں کا خود اپنی زندگی سے عملی نمونہ پیش کیا۔ اور اُن کو یہ حکم دیا کہ اپنے دُشمنوں سے محبت رکھو۔ اُن کے لیے دُعا کرو۔ یہ ہے مسیح کی شریعت (گلتی ۶: ۲)

"کیونکہ ابن آدم (یعنی مسیح) لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا۔" (انجیل لوقا ۹: ۵۶) خدمت کروانے نہیں خدمت کرنے آیا ہے

ازروئے انجیلِ مقدس مسیح خُداوند کی زندگی، طبیعت، سیرت، مزاج، قُدرت اور جلال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ ایک موعُودہ نبی، رسُول اور بے عیب مُقدس ترین انسان کامل تھا۔ بلکہ وہ اُلوہیت کی ساری معموری کے سبب ذاتِ الٰہی کا نقش، اَن دیکھے خُدا کی صُورت اور خُدائے کامل ہے۔ لیکن مسیح مصلوب مُنجیِ عالمین نے

اپنی بے عیب شخصیت اور ذات کو کبھی خُدا تعالےٰ سے الگ یا "خدا کا شریک" نہیں ٹھہرایا، بلکہ فرمایا کہ "مَیں اور باپ ایک ہیں۔ واحد ہیں" "مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مُجھ میں"۔ مسیحیوں نے مسیح مصلُوب کو کبھی خُدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرایا اور نہ خدا سے الگ ایک دُوسرا خُدا کہا ہے۔ جبکہ ساری عالمِ کائنات کی دُنیائے مسیحیت میں ایسا کوئی ایک آدھ مسیحی بھی دیکھنے میں نہیں آیا جو مسیح خداوند کو خدا تعالےٰ سے الگ ایک "دوسرا خُدا" یا "خُدا کا شریک" مانتا ہو یا مریم مُقدسہ کو یا مسیحی علماء اور درویشوں کو خُدا مانتا ہو یا خُدا کا شریک سمجھتا ہو۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس غلط بیانی میں کیوں بضد ہیں؟ کہ مسیحی لوگ تین خُدا مانتے ہیں؟ اول تو ایسے لوگ خود ہی خدا کے حضور اپنی اس غلطی کے جواب دہ ہوں گے، کیونکہ مسیحی لوگ اپنے معتقدات کے متعلق کسی معترض کی غلط بیانی اور غلط فہمی کے ذمہ دار نہیں۔ یہ معترضین کا اپنا ہی ایک دیرینہ فرضی مقولہ ہے۔ کہ مسیحی لوگ تین خُدا مانتے ہیں۔ مَیں تو بڑے وثوق کے ساتھ یہی کہوں گا۔ کہ عوام الناس کو مسیحیت کی عالمگیر آسمانی صداقت اور مقبولیت سے متنفر کرنے کی خاطر انہوں نے خود ہی ایسے متعدد غلط مفروضہ اعتراضات ایجاد کر رکھے ہیں۔ توحیدِ الٰہی کے ماننے والے مسیحیوں پر تین خُدا ماننے کی تہمت لگانا اخلاقی قدروں اور حق کے خلاف ایک بڑی بے انصافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے انجیلِ مُقدس کے مطالعہ اور تحقیقِ حق سے لُطف اندوز ہونے کی کبھی ہمت اور جرأت نہیں کی۔ اور نہ ہی انجیلِ مُقدس کی روشنی میں مسیحی تصوّرِ خُدا اور مسیحی توحیدِ الٰہی کے متعلق اپنی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی ہے۔

اگر بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مسیحی لوگ "خُدا باپ" "خُدا بیٹا" "خُدا رُوح القدس" کو مانتے ہیں۔ جس سے تین خدا کا خیال یا تصوّر پیدا ہوتا ہے۔ تو جنابِ من! خُدا کو "ایک" اور "واحد" کہنے سے بھی تو خُدا کی ذات کی بابت ریاضی کا ایک اکائی عددی تصور دماغ میں متصوّر ہوتا ہے، لیکن یاد رکھیئے گا کہ خدا تعالےٰ کی وحدانیت ریاضی کے ہندسوں کی اکائی یا کسی عددی تصوّرات کی طرح نہ "ایک" ہے اور نہ "تین" ہے۔ نہ "واحد" ہے، نہ "ثلثا"

ہے۔ کیونکہ ریاضی کے ہندسوں کے عددی تصوّرات کا توحیدِ الٰہی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ خُدا تعالیٰ کی وحدت ہرگز ریاضی۔ کے ہندسوں کی طرح عددی نہیں، جس کو ہم اپنے دماغ میں متصوّر کر سکیں۔ اس کی ذات وحدتِ لامحدود، لا انتہا، بے حد و بے حساب اور شِرک سے پاک ہے، وہ غیر منقسم ہے، وہ وُسعت کی ساری حدود اور اکائیوں سے آزاد ہے، اُس کی ذات کا تصوّر انسانی دل و دماغ کے لیے محالِ مُطلق ہے، کیونکہ وہ بے حد ہے۔ ہندسوں کے عددی تصوّرات صرف مخلوق، مادی اور قابلِ تقسیم اشیاء کے لیے روا ہیں، لیکن الٰہی وحدانیت کا تصوّر ریاضی کے تمام ہندسوں کے عددی تصوّرات سے بالاتر ہے۔ کیونکہ وحدتِ ذاتِ الٰہی بے مثل ہے۔ بالفرضِ محال اگر آپ اعداد کا بھی لحاظ کریں تو مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی یُوں ہے۔ ۱×۱×۱ = ایک۔ لیکن اگر آپ ۱+۱+۱ = ۳ تین کہیں گے تو یہ مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی کے خلاف محض ایک فضول حجت ہوگی۔ جس کو کوئی مسیحی قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ مسیحی فلسفۂ توحید فی التثلیث کو ۱+۱+۱ = ایک کی حُجت پیش کرنے والوں کی غلط فہمی اور کم ظرفی کے متعلق ہمیشہ ہمارے مسیحی عُلماء نے اُن کا مذاق اُڑایا ہے۔ کیونکہ توحیدِ الٰہی پر اعداد کا اطلاق اور تصوّر ناممکن ہے۔ لیکن معترضین کے دماغ میں توحیدِ الٰہی کے متعلق اکائی کی ایک عددی وحدتِ محضہ کا تصوّر ایسا سوار ہو چکا ہے کہ وہ مسیحی فلسفۂ توحیدِ الٰہی کی وحدت اور اُس کی وسعت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

خُداوند فرماتا ہے کہ:-

"آسمان میرا تخت اور زمین میرے پاؤں تلے کی چوکی ہے، تم میرے لیے کیسا گھر بناؤ گے؟" (انجیل کتابِ اعمال ۷: ۴۹)

ذاتِ الٰہی کی بلندی بے حد ہے۔ اس کی چوڑائی کی کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کی ذات کو ریاضی کے کسی ہندسہ کی طرح دماغ میں متصوّر کرنا بھی کُفر ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ وحدتِ محضہ پر زور دینے والوں کو سوچنا چاہیئے۔ کہ وحدتِ محضہ کی نہ کوئی ظاہری حقیقت ہے اور نہ کوئی خارجی وقعت۔ کیونکہ بڑے بڑے قدیم

جدید علمائے اسلام عقیدۂ توحیدِ الٰہی اور فلسفۂ وحدت الوجود کے متعلق مختلف نظریات کے حامی ہیں۔ بعض علماء کا یہ مقولہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذاتِ وحدت پر بحث کفرِ عظیم ہے۔ کیونکہ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ اُس نور میں رہتا ہے، جہاں انسان کی رسائی ممکن نہیں، افلاطون کے فلسفۂ وحدت الوجود میں بعض باتیں فی الحقیقت قابلِ تعریف ہیں بلکہ قابلِ قبول بھی ہیں۔ مثلاً :-

"خدا واجب الوجود ہے اور بنفسہٖ کامل ہے۔ اور ہر قسم کے تجزیہ اور تعدد سے بری ہے۔"

"اس کو کسی طرح بھی تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔"

ڈاکٹر علامہ اقبال اور دیگر متعدد علمائے اسلام اور خواجہ کمال الدین احمدی کے نظریات سے بھی یہی خیال ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی ذاتِ وحدت کا تصور ہمارے لیے صرف ایک رُوحانی اور اخلاقی تصور کے سوا اور کچھ نہیں۔

بائبل مُقدس کی کُتب توریت زبُور اور انجیلِ مُقدس کے علاوہ قرآن مجید کی سُورہ حشر میں بھی خدا کے متعدد صفاتی ناموں کی فہرست دی گئی ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ محض صفات ہی صفات کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ ایک واجب الوجُود زندہ قادرِ مطلق ہستی ہے۔ ایک تا ابد واحد زندہ شخصیت ہے۔ لیکن اُس کی وحدت ریاضی کے ہندسوں کے کسی عدد کی طرح دماغی تصورات کی حامل نہیں۔ کیونکہ مسیح خداوند نے فرمایا ہے کہ "خدا رُوح ہے"۔ لیکن بالفرضِ محال اگر آپ خدا تعالیٰ کی ذات کے لیے ریاضی کے ایک عددی تصور کی وحدت پر زور دیں گے، تو پھر اس ریاضی کے 'عددی تصور" واحد" میں بھی آپ کو کثرت تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ "ایک" عددی ہندسہ کے شمار کی بھی تجزی ہو سکتی ہے۔ مثلاً :-

ایک عدد ہندسہ برابر ہے $= \frac{1}{2} + \frac{1}{2}$ کے

ایک عدد ہندسہ برابر ہے $= \frac{1}{3} + \frac{1}{3} + \frac{1}{3}$ کے

ایک عدد ہندسہ برابر ہے $= \frac{1}{4} + \frac{1}{4} + \frac{1}{4} + \frac{1}{4}$ کے

ایک عدد ہندسہ برابر ہے $= \frac{1}{5} + \frac{1}{5} + \frac{1}{5} + \frac{1}{5} + \frac{1}{5}$ کے

اسی طرح لاکھوں اور کروڑوں لاتمناہی اجزاء کی صورت میں ایک اکائی عددی ہندسہ کی تجزی اور وحدت میں کثرت ثابت ہو سکتی ہے، اس کے برعکس افلاطون کا فلسفۂ وحدت الوجود کتنا قابلِ تعریف اور قابلِ قبول ہے کہ :

"خدا واجب الوجُود ہے" اور ہر قسم کے تجزیہ اور تعدد سے بری ہے"

اہلِ اسلام اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں لیکن اس سے اُن کا ہرگز ہرگز یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ ننانوے (۹۹) خداؤں کو مانتے ہیں۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کے لیے متعدد آیات میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی ذاتِ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت پائی جاتی ہے پڑھ کر دیکھ لیجئے :-

"اور اس چیز سے کہ دی ہے -

"ہم" نے ان کو خرچ کرتے ہیں"۔ (سُورہ بقر ۳)

"اور دی "ہم" نے اس کو انجیل"۔ (سُورہ المائدہ ۴۶)

"اور اتاری "ہم" نے طرف تیری کتاب" (سُورہ المائدہ ۴۸)

"پس بھیجا "ہم" نے طرف اس کی رُوح اپنی کو"۔ (سُورہ مریم ۱۷)

"البتہ گھسیٹیں گے "ہم" اس کو ساتھ پیشانی کے" (سُورہ علق ۱۵)

"شتاب "ہم" بلا دینگے۔" (سُورہ علق ۱۸)

"بھیجے ہیں "ہم" نے بیچ ہر ایک اُمت کے پیغمبر"۔ (سورہ نحل ۳۶)

"جب ارادہ کرتے ہیں "ہم" اس کو یہ کہتے ہیں -

"ہم" اُس کو ہو جا پس ہو جاتی ہے۔" (سورہ نحل ۴۰)

"البتہ جگہ دیں گے "ہم" اُن کو بیچ دُنیا کے اچھی" (سورہ نحل ۴۱)

"اور نہیں بھیجے "ہم" نے پہلے تجھ سے مگر مرد کہ وحی بھیجتے تھے "ہم" طرف اُن کی" (سورہ نحل ۴۳)

"اور جب بدل ڈالتے ہیں "ہم" ایک آیت کو جگہ
ایک آیت کی اور اللہ خوب جانتا ہے۔"
(سورہ نحل ۱۰۱)

(ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

بائبل مقدس میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات بابرکات کے لیے صیغہ جمع متکلم استعمال کیا ہے۔ مثلاً:۔

"پھر خدا نے کہا کہ "ہم" انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہہ کی مانند بنائیں۔"
"اور خداوند خدا نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں "ہم" میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔"

(بائبل مقدس کتاب پیدائش ۱: ۲۶ و ۳: ۲۲)

خدا تعالیٰ نے اپنی ذات مبارک کے لیے لفظ "ہم" بطور صیغہ جمع متکلم استعمال کیا ہے جس سے یہ صاف صاف عیاں ہے کہ الٰہی ذاتِ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت پائی جاتی ہے۔ بالفرض اگر بعض مفسرین اور منکرین اس کی یوں تفسیر و تعبیر یا تاویل کریں کہ خدا تعالےٰ نے اپنی الٰہی شان و شوکت اور ذاتی عزت و تعظیم کی خاطر صیغہ جمع متکلم استعمال کیا ہے۔ تو میرا جواب اس کے علاوہ یہ ہے کہ صیغہ جمع متکلم اس بات کا ثبوت بھی ہے، کہ الٰہی ذاتِ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت موجود ہے۔ جس کی وجہ سے رب العالمین نے اپنی ذات مبارک کے لیے صیغہ جمع متکلم استعمال کیا۔ اور الٰہی ذاتِ وحدت میں کثرت ہی تو ذاتِ الٰہی کی شانِ کبریائی ہے۔ کیونکہ جس چیز کی وحدت میں جتنی زیادہ کثرت موجود ہو گی وہ چیز اتنی ہی زیادہ فائدہ مند ثابت ہو گی۔ جیسے اسلام میں اللہ تعالیٰ اکیلا ہے۔ لیکن اُس کے ننانوے (۹۹) ذاتی اور صفاتی نام ہیں۔ جن میں بہت سارے اخلاقی صفاتی اور روحانی مفادات وابستہ ہیں۔ ذاتِ الٰہی کے لیے مثل ناجائز ہے، لیکن مثال ناجائز نہیں (مثال کے طور پر نمک میں سوڈیم اور کلورین دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کی کمی سے نمک کھانے کے استعمال کے لائق نہیں رہتا۔ بلکہ اُس نمک کا کھایا جانا بجائے

فائدہ کے باعثِ نقصان ہو گا۔ اسی طرح پانی پینے کے لیے فائدہ مند ہے۔ پانی میں دو خاص ضروری چیزیں ہائیڈروجن اور آکسیجن پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کو خارج کر دیں تو پھر پانی پینے کے استعمال کے قابل نہیں رہتا۔

اسی طرح مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی یعنی "خدا باپ"، "خدا بیٹا"، "خدا روح القدس" کے بارے میں مسیحیوں کے دل و دماغ میں ایک الٰہی پدرانہ محبت کا روحانی پاکیزہ خیال اور ایک بلند پایہ اخلاقی ہستی کا تصور ذہن نشین رہتا ہے۔ جو فی الحقیقت خدا کی شایانِ شان ہے۔ اگر "خدا باپ"، "خدا بیٹا"، "خدا روح القدس" کے مسیحی تصورِ خدا میں سے کسی اقنوم کو خارج از توحید کر دیں۔ تو خدا قابلِ قبول اور واجب التسلیم نہیں رہتا اور اُس سے بہت سارے روحانی اور اخلاقی پاکیزگی کے مفادات خارج از امکان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالےٰ لاتبدیل خدا ہے۔

جب آگ کی تجلی میں خدا تعالیٰ نے بزرگ موسیٰ کو دیدارِ الٰہی بخشا تو فرمایا کہ:

"میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔"
(خروج ۳: ۶)

تو اس سے بزرگ موسیٰ کے خیال میں ہرگز یہ بات متصور نہ ہوئی تھی کہ خدا تین ہیں یعنی ایک خدا بزرگ ابرہام کا خدا ہے۔ اور دوسرا خدا بزرگ اضحاق کا خدا ہے اور تیسرا خدا بزرگ یعقوب کا خدا ہے۔

اسی طرح از روئے بائبل مقدس مسیحیوں کی زبان سے خدائے واحد کی بابت یہ سن کر کہ خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس ہے یہ خیال کرنا کہ مسیحی لوگ تین خدا مانتے ہیں یعنی ایک خدا باپ ہے۔ دوسرا خدا اس کا بیٹا ہے اور تیسرا خدا روح القدس ہے یا مریم مقدسہ ہے یہ سخت غلطی ہے۔ مسیحیوں کے اوپر اس قسم کی شرک کا الزام لگانا سراسر بہتانِ عظیم ہے۔ ایسے الزامات کا مسیحی لوگ ابتدائے اسلام سے شکوہ و شکایت کرتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ جو باتیں ہمارے عقائد میں شامل نہیں وہ ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتیں۔

۱۔ تصوّرِ خدا

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُس نے ظاہر کیا۔"
(انجیل یوحنا ۱ : ۱۸)

جب مسیحی از روئے کتابِ مقدس خدا تعالیٰ کی ذاتِ وحدت اور لامحدود کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ "خدا باپ"، "خدا بیٹا"، "خدا رُوح القدس" ہے۔ تو اُن کے دِل و دماغ میں الٰہی ذاتِ وحدت کے متعلق تین خدا کا عددی تصوّر پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ اُن کے ذہن میں "شِرک" کی بُو پیدا ہوتی ہے، نہ خدا کی جورُو اور خدا کے جننے کا ادنیٰ خیال اُن کے دماغ میں متصوّر اور گردش کرتا ہے

الہامی کتب میں ذاتِ الٰہی کے لیے صیغہ مذکر استعمال ضرور ہوا ہے لیکن درحقیقت خدا تعالےٰ کی ذاتِ مبارک نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔ تذکیر و تانیث کا معاملہ خدا کجا خدا کی آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں میں بھی نہیں۔ خداوند یسُوع مسیح نے روزِ قیامت مَردوں اور عورتوں کے ازدواجی رشتہ اور اُن کی تذکیر و تانیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ:-

"قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے۔"
(انجیل متی ۲۲ : ۳۰)

یعنی روزِ قیامت آدمی عورتیں سب فرشتوں کی مانند تذکیر و تانیث اور ازدواجی نفسانی لذات سے پاک ہوں گے۔ کیونکہ آسمانی دُنیا تمام مادی اور نفسانی لذات اور تصوّرات سے پاک ہے۔

۱۔ چنانچہ ذاتِ الٰہی کے متعلق ہمارے خداوند یسُوع مسیح نے فرمایا ہے کہ "خدا رُوح ہے۔"
(انجیل یوحنا ۴ : ۲۴)

یعنی خدا تعالیٰ مادی، خاکی اور نفسانی وجود نہیں بلکہ "خدا رُوح ہے"۔

وہ نہ مرد ہے، نہ عورت ہے۔ مسیحی تصوّرِ خدا میں ہمارا خدا ایسا قادر ہے کہ وہ ازل سے ہی بغیر کسی جورُو کے ایک غیر مخلوق بیٹا رکھتا ہے۔ خدا غیر مخلوق ہے اور

اُس کا اکلوتا بیٹا بھی غیر مخلوق ہے۔ اور خدا کا وہ غیر مخلوق ازلی بیٹا خدا سے گویا اس طرح صادر ہوا جیسے سُورج سے روشنی، یا آگ سے گرمی صادر ہوتی ہے۔ وہ کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہے (سُورہ نساء ۱۷۱) جو خدا باپ سے صادر ہے۔

مسیح خداوند نے ایک سامری عورت کو فرمایا کہ:-

"تم جسے نہیں جانتے اُس کی پرستش کرتے ہو۔ ہم جسے جانتے ہیں اس کی پرستش کرتے ہیں۔"
(انجیل یُوحنا ۴ : ۲۲)

پولُس رسُول نے ایک جگہ فرمایا کہ:-

"اے اتھینے والو ۔۔۔۔ جس کو تم بغیر معلوم کیے پُوجتے ہو مَیں تم کو اُسی کی خبر دیتا ہُوں۔"
(انجیل کتاب اعمال ۱۷ : ۲۳)

غیر مسیحی لوگ اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جس کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ مسیحی لوگ اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جس نے مسیح میں ہو کر اپنے آپ کو دُنیا پر ظاہر کیا۔

۲ - مسیح مصلوب نے فرمایا کہ:-

"تم جو ایک دُوسرے سے عزّت چاہتے ہو اور وہ عزّت جو "خدائے واحد" کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیونکر ایمان لا سکتے ہو؟"
(انجیل یوحنا ۵ : ۴۴)

۳ - "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ "خدائے واحد" اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جِسے تُو نے بھیجا ہے جانیں"۔ (انجیل یوحنا ۱۷ : ۳)

مسیح خداوند نے فرمایا ہے کہ:

"خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تُو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبّت رکھ۔ دُوسرا یہ کہ تُو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔" (انجیل مرقس ۱۲ : ۳۰-۳۱)

آپ نے دیکھ لیا ہے کہ انجیلِ مقدس سے ہمیں ایک ہی زندہ قادرِ مطلق خدائے

واحد کی تعلیم ملتی ہے۔ جو رُوح ہے۔ جو لامحدود اور غیر منقسم ہستی اور ہمہ جا حاضر و ناظر خُدا ہے۔ لیکن مسیحی تصوّرِ خدا اور مسیحی توحیدِ الٰہی پر اعتراض کرنے والے خود اپنے عقیدہ توحیدِ الٰہی کے تصوّرات اور ماہیت بیان کرنے سے عاجز ہیں کیونکہ خدا کو محض ایک واحد ماننے میں کوئی عظمت نہیں۔ لیکن بائبل مقدس میں توحیدِ الٰہی کے تصوّرات کی حقیقت اور ماہیت کا مکاشفہ موجود ہے۔

۲۔ خُدا باپ

اناجیلِ اربعہ میں خُدا کے لیے لفظ "باپ" ایک سو ستّر دفعہ آیا ہے۔ کتابِ مُقدس میں جگہ بہ جگہ خُدا کی ہستی اور ذاتِ الٰہی کے متعلق مسیحیوں کو "خُدائے واحد" اور "خُدائے محبت" اور "خُدا باپ" کی پدرانہ محبت و شفقت کا تصوّر دیا گیا ہے۔ اور یہ تصوّر ایک ایسا زندہ عالمگیر اور حقیقی تصوّر ہے، جس سے دوسرے تمام مذاہب محروم و بے نیاز ہیں۔ لفظ "خُدا باپ" میں انسانی مخلوقِ خدا کے لیے ایک پدرانہ محبت کا پیار اور رحم و کرم کی شفقت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ خُدا نے گنہگاروں کو گناہ سے پاک، صاف کرنے اور اُن سے میل ملاپ کی خاطر اپنے اکلوتے بیٹے کا فدیہ دیا۔ جب مسیح خداوند بارہ برس کے تھے تو یروشلیم ہیکل میں اُس نے خُدا کے لیے "باپ" کا لفظ استعمال کیا اور اپنی نیک دِل ماں مبارک خاتون مریم مقدسہ سے کہا:

"کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ (خُدا) کے ہاں ہونا ضرور ہے؟"

(لوقا ۲: ۴۹)

زمینی خدمت کا دَور شروع کرنے سے پہلے خُداوند یسُوع کی زبانِ مبارک سے خُدا کے لیے "باپ" کا لفظ نِکلا۔ اور زمینی خدمت اور مِشن کے اختتام پر صلیبی موت کے آخری لمحہ بھی "باپ" کا لفظ اُس کی وردِ زبان تھا۔ فرمایا کہ:۔

"اے باپ! مَیں اپنی رُوح تیرے ہاتھ میں سونپتا ہُوں" (لوقا ۲۳: ۴۶)

اُس نے اپنے شاگردوں کو جو دُعا سکھائی اُس کے پہلے الفاظ بھی "اے ہمارے

باپ" سے شروع ہوتے ہیں۔ کوئی شخص مسیح یسُوع کے سوا خُدا کا ازلی ابدی اکلوتا بیٹا، کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ نہیں کیونکہ اُس نے خدا کی محبت، خدا کی مرضی، کلامِ الٰہی اور الٰہی قدرت کو اپنی زندگی میں نمایاں طور پر ظاہر کیا ہے۔

مسیحی تصوّرِ خُدا اور فلسفۂ وحدت الوجود میں خُدا باپ گویا "خُدائے محبت" ہے۔ محبت کرنے والا اور ازراہِ محبت ہمارے سارے گناہوں کو اپنے بیٹے یسُوع کے وسیلہ سے معاف کرنے والا خُدا۔ ایک رحیم و کریم آسمانی شفیق باپ، خُدائے محبت نے اپنی آسمانی محبت کا زندہ ثبوت اپنے اکلوتے بیٹے مسیح مصلُوب کے وسیلہ سے دُنیا کو دیا ہے۔ چنانچہ خُدا تعالیٰ کو آسمانی باپ ماننے میں خُدا کی محبت اور الٰہی پیار کا ایک رُوحانی اور اخلاقی کمال ہمارے ذہن میں گردش کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ہمارے خیالات اور جذبات میں خُدا کی نزدیکی کا ایک ایسا گہرا احساس کام کرتا رہتا ہے جس کے سبب ایک راسخ الاعتقاد مسیحی کے دِل میں بدی سے نفرت اور نیکی سے خاص رغبت کا جذبہ کارفرما رہتا ہے، خُدا کی پدرانہ عالمگیر محبت کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ اُس نے ہمارے گناہوں کے فدیہ اور کفارہ کے لیے صلیب پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا۔ چنانچہ مسیحیت الٰہی محبت کی عظمت کا ثمرہ اور ایک زندہ مکاشفہ اور کرشمہ ہے۔ کیونکہ قربانی کے بغیر محبت ایک بے جان حقیقت ہے۔ اسلام میں خُدا اور انسان کے درمیان خُدائے محبت کی بجائے حاکم و محکوم، آقا و غلام کا رشتہ نظر آتا ہے۔ غیر مسیحی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خُدا سے محبت رکھتے ہیں لیکن مسیحی لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ خُدا ہم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ہم خُدا سے محبت رکھتے ہیں۔

ہمارا "خُدا محبت ہے" مسیح خُداوند کا ارشاد ہے کہ خدا تعالےٰ "میرا آسمانی باپ ہے" اور "مَیں خُدا کا بیٹا ہوُں"۔ "خُدا باپ" اور "خُدا کے بیٹے" کی پاک ذات سے الٰہی محبت کا جو مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے کثیر التعداد ناموں میں سے کسی نام سے بھی واضح نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارے محبت بھرے خدا نے

انسانیت کو حقیر نہ جانا۔ بلکہ اس نے انسانیت کو یہ عظمت بخشی کہ وہ خود انسان کی مدد اور نجات کی خاطر آسمان سے اُتر آیا۔ اور مجسم ہو کر انسانی زندگی میں جلوہ گر ہوا۔ ہمارے خُدا کو ہم سے محبت ہے۔ کیونکہ ہمارا "خُدا محبت" ہے۔ ہمارا خُدا بے پرواہ نہیں بلکہ وہ ہماری پرواہ کرتا ہے۔ وہ ہمارے لیے سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ وہ ہماری خاطر زمین پر اُتر آیا۔ اور اُس نے انسانی صورت اختیار کی۔

روزِ اول بھی حق تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت و شبیہ کی مانند پیدا کیا۔ پھر جب اُس کو پسند آیا تو اُس نے انسانیت کو یہ عزت و شرف بخشا کہ وہ مسیح ابنُ اللہ کے وسیلہ سے خود ایک انسانِ کامل یعنی بصورت نئی انسانیت دُنیا میں آیا۔ اور ہمارے درمیان رہا اور اُس نے ہماری نجات میں ہماری مدد کی۔ گویا ہمارے خُدا نے ہماری مدد کے لیے ہمارے درمیان آنے کے لیے انسانی صورت اختیار کی۔ مسیح یسُوع، خدائے مجسم بے پدر ولادت کے باعث گویا پُرانی انسانیت پر نئی انسانیت کا ایک مُقدس پیوند تھا۔ جو پُرانی انسانیت کی تمام موروثی اور اکتسابی گناہ کی کمزوریوں سے پاک تھا۔

بائبل مُقدس میں خُدائے محبت کی اصطلاح کے لیے خُدا باپ کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ خُدا بنی اسرائیل کا من حیثُ القوم باپ ہے۔

خُدا نے فرمایا: "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے" (استثنا ۳۲: ۶)

یسعیاہ نبی نے کہا: "تُو اے خُداوند ہمارا باپ ہے۔" (یسعیاہ ۶۳: ۱۶)

"اے خداوند! تُو ہمارا باپ ہے۔" (یسعیاہ ۶۴: ۸)

خُدا نے فرمایا: "اگر مَیں باپ ہُوں تو میری عزت کہاں ہے؟" (ملاکی ۱: ۶)

۳۔ مسیح ابنُ اللہ

"مسیح خدا کی قدرت اور خُدا کی حکمت ہے۔" (انجیل خط پہلا کرنتھیوں ۱: ۲۴)

"جس میں حکمت و معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں۔" (کلسیوں ۲: ۳)

ہمارے مسیحی ایمان میں یہ بات بے حد اہمیت کی حامل ہے کہ خُدا کا اکلوتا بیٹا ایک ازلی اور غیر مخلوق آسمانی ہستی ہے۔ جو خُدا میں سے نکلا اور زمین پر اُتر آیا۔ یہ وہ کلمہ خُدا ہے جو مجسم ہوا، اور کنواری مریم مُقدسہ کے ہاں انسانی باپ کے اصُولِ تناسُل کے بغیر فوق الفطرت طریقہ سے اُس کی ولادت ہوئی۔ وہ بے پدر فوق الفطرت ولادت کے باعث "ابن اللہ" نہیں مانا جاتا بلکہ ابنُ اللہ ازلی آسمانی ہستی ہے وہ مولودِ مُقدس گویا ایک انسانِ کامل کی صورت میں مجسم ہو کر کنواری مریم مُقدسہ کے ہاں فوق الفطرت طریقہ سے پیدا ہُوا۔ لیکن فوق الفطرت طریقہ سے پیدا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے بلکہ خُدا کا بیٹا ازل سے آسمان پر ذاتِ الٰہی میں موجود ہے۔ اور ابنُ اللہ یعنی مسیح کلمۃ اللہ کے وسیلہ سے کائناتِ عالم نیستی سے معرضِ وجود میں آئی۔ مسیح یسُوع کلمۃ اللہ یعنی ابن اللہ کائناتِ عالم کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر ذاتِ الٰہی میں موجود تھا۔ وہ مریم مُقدسہ کی پیدائش بلکہ بزرگ آدم اور حوا سے بھی پیشتر خُدا کا بیٹا تھا۔ گویا کہ مسیح یسُوع انسانی جسم میں مجسم و متولد ہونے سے پیشتر سے ہی خُدا کا بیٹا اور ابنِ وحید ہے۔

قرآن مجید نے مسیح یسُوع کے لیے عیسیٰ المسیح اور کلمتہ منہُ (سُورہ عمران ۴۵) اور رُوح منہُ (سورہ نساء ۱۷۱) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یعنی عیسیٰ کلمۃ اللہ "خُدا کا کلام" ہے اور عیسیٰ رُوحُ اللہ، "خُدا کا رُوح" ہے۔ کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کے الفاظ خدا کی ذاتِ الٰہی سے متعلق ہیں لہٰذا اللہ اور "اللہ کا کلام"، اللہ اور "اللہ کا رُوح" "غیر مخلوق" ہے۔ ایسے الفاظ قرآن مجید میں کسی نبی کے لیے نہیں لکھے گئے کیونکہ یہ الفاظ کسی مخلوق ہستی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ اس لیے عیسیٰ المسیح ظاہری مجسم صورت میں تو ایک پاکیزہ نبی اور "انسانِ کامل" ہستی ہے۔ لیکن اپنی باطنی شخصیت، قُدرت اور الُوہیت کے جلال میں غیر مخلوق ابنُ اللہ اور "کامل خُدا" ہے۔ کیونکہ وہ اپنے شفا بخش معجزانہ کام اور کلام میں صاحبِ اختیار خُدا کی طرح کلام کرتا تھا۔ (انجیل متی ۷: ۲۸-۲۹) اور سب کچھ اُس کی مرضی کے مطابق عمل میں آتا تھا۔

(۱) جبرائیل فرشتہ نے مریم مقدسہ کو بعد از مودبانہ سلام و آداب یہ خوشخبری سُنائی تھی

کہ "تیرے بیٹا ہوگا۔"

"وہ بزرگ ہوگا" اور "وہ مولودِ مُقدّس خُدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا۔"

(انجیل لوقا ۱: ۳۲ و ۳۵)

(۲) حق تعالیٰ نے مسیح خُداوند کے متعلق یہ اعلان کیا کہ :۔

"یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے مَیں خوش ہُوں" (انجیل متی ۳: ۱۷)

(۳) خود مسیح خُداوند نے یہودیوں کو ارشاد فرمایا کہ :۔

"آیا تم اُس شخص سے جِسے باپ نے مُقدّس کر کے دُنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کُفر بکتا ہے اس لیے کہ مَیں نے کہا مَیں خُدا کا بیٹا ہُوں"؟

(انجیل یُوحنا ۱۰: ۳۶)

بائبل مُقدّس اور قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کے چہرہ، وجُود، مُنہ، آنکھوں، سر، ہاتھوں، پاؤں، زبان، کان، دل، سُننے، بولنے، دیکھنے، چلنے اور آنے جانے اور خُدا کے تخت کا ذکر موجود ہے لیکن یہ سب کچھ صرف استعارہ کے رنگ میں ہے اس سے یہ نہ سمجھیں کہ خُدا تعالےٰ ایک مردِ مذکر کی طرح ہے اور اُس کے وُجود میں بھی ہماری طرح اعضا تے جسمانی ہیں۔ خُدا تعالیٰ ہمارا ہم طبیعت اور ہم جنس انسان نہیں۔ مسیح خُداوند کا فرمان یہ ہے کہ :

"خُدا رُوح ہے۔"

"خُدا کو کِسی نے کبھی نہیں دیکھا۔"

الٰہی ذات سے کِسی مردِ مذکر کی طرح تولیدِ نسل کا خیال بڑا ناقص اور ادنےٰ ہے ایسا خیال پیش کرنے والا شخص گویا خُدا کی توہین کا مرتکب ہے بلکہ اس کا یہ خیال شانِ الٰہی کے خلاف ایک ادنیٰ اور نہایت گھناؤنا تصوّر اور فعل ہے۔

خُدا تعالیٰ نے نسلِ آدم کو اُن کے گناہوں سے نجات دینے کے لیے، اُن سے میل ملاپ کے لیے، اُن کو ہمیشہ کی زندگی دینے کے لیے، اُن کی تمام اخلاقی اور روحانی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے، اپنے آسمانی

اور ازلی اکلوتے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا تھا بلکہ خُدا نے اُس کو دُنیا کا مُنجی اور خُداوند مقرر کر کے بھیجا۔ انسان اپنے خالق خُدا تعالیٰ سے جن جن اخلاقی اور رُوحانی ضروریاتِ زندگی کی توقعات رکھتا ہے اور جو جو الٰہی قدرت خود خُدا کی ذاتِ الٰہی میں مُضمر ہے۔ وہ سب کچھ خُدا نے اپنے بیٹے کی ذاتِ اُقدس کے وسیلہ سے دُنیا پر ظاہر اور آشکارا کر دیا ہے۔

لیکن غیر مسیحی لوگ اپنے مذہب کے بانیوں میں ایسی فوق الفطرت قُدرت اور عظمت سے محرومی اور بیکسی کے باعث مسیح مصلُوب کے فلسفۂ محبّت و کفارہ، الٰہی اِبنیت اور اُس کی شانِ اُلوہیت کی مخالفت پر تُلے ہُوئے نظر آتے ہیں۔

اگر آپ کِسی زمانہ ساز شخص کو اِبنُ الوقت کہتے ہیں۔ تو کیا وہ شخص بلحاظ جسمانی رشتہ وقت کا بیٹا ہوگا؟ آنحضرت اپنے ایک صحابی کو ابُوہریرہ کہا کرتے تھے۔ تو کیا وہ صحابی جسمانی رشتہ کی وجہ سے بلی کے باپ تھے؟ بالکل نہیں۔ قرآن مجید میں مسافر کو ابنُ السبیل کہا گیا ہے۔ تو کیا وہ مسافر اپنے راستہ سے پیدا ہوتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ ابوالفصاحت، ابُوالبلاغت، ابُوالکلام، ابوالفرح، ابُوتراب اور ابُولہب کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان الفاظ سے کوئی جنسی پہلو مراد ہو سکتا ہے؟

اہلِ اسلام عُلماء کبھی کبھی بڑے پیار میں آ کر اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" یعنی "خدا باپ" کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی مُسلمانوں کو "فرزندانِ توحید" یعنی "خُدا کے بیٹے" کہتے ہیں۔ یکم دسمبر ۱۹۷۶ء کو اخبارات میں یہ خبر جلی حروف میں شائع ہوئی کہ "لاکھوں فرزندانِ توحید نے فریضۂ حج ادا کیا۔" حال ہی میں ایک عالم نے فرمایا کہ مسجدیں دُخترِ کعبہ ہیں یعنی مسجدیں خانہ کعبہ کی بیٹیاں ہیں۔

ان مثالوں سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ تمام مثالیں بطور استعارہ استعمال میں آتی ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ گہرے تعلق اور رشتہ اور متشابہ صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح انجیلِ مُقدّس میں ایسے کثیر التعداد محاورات استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً "نُور کے فرزند"، "خُدا کے فرزند"، "راستی کے فرزند"، "پاکیزگی کے

فرزند"، "دن کے فرزند"، "رات کے فرزند"، "تاریکی کے فرزند"، "نافرمانی کے فرزند"، "ناراستی کے فرزند"، "ہلاکت کے فرزند"، "ابلیس کے فرزند"، "شیطان کے فرزند"، "سانپ کے بچو" وغیرہ۔

اس حدیث کا کیا مطلب ہے ؟ کہ :۔

"الخلق عیال اللہ"

ان اشعار کا کیا مطلب ہے ؟ :۔

ے "کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا۔"

ے "اولیاء اطفالِ حق اندائے پسر" (مولٰنا روم)

ہمارے مسیح خداوند چونکہ ذاتِ حق تعالےٰ کے ساتھ ازل سے ایک گہرا تعلق اور گہرا رشتۂ محبت و اُلوہیت رکھتے ہیں۔ اس لیے الٰہی ذات وصفات، قدرت اور اختیار کے باعث وہ آئینۂ حق نما خدا کا اکلوتا بیٹا اور ابنِ وحید ہے۔ لیکن مسیح ابنُ اللہ کی بابت خدا کی طرف جورُو یا جلنے کے خیالات منسوب کرنا حد درجہ کی بے علمی ہے۔ کیونکہ انجیلِ مُقدس مسیح یسُوع کی الٰہی ابنیت کے متعلق "خدا باپ" اور "خدا بیٹا" کے الٰہی رشتۂ محبت کے آسمانی ازلی رازِ حقیقت کی ترجمانی اور آسمانی محبت کے مکاشفات کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن مُعترضین اللہ تعالیٰ کو مادی اور نفسانی اور زمینی رشتوں میں منسلک اور متصور کر کے مسیح ابنُ اللہ کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے ایسے خیالات سراسر غلط فہمی سے متعلق ہیں۔ بائبل مُقدس میں "خدا باپ" سے مُراد ماں کا شوہر نہیں اور نہ ہی "خدا کا بیٹا" سے مُراد خدا کی جورُو کا بیٹا ہے۔ لیکن میرے اہلِ اسلام دوست دیدہ دانستہ بائبل مُقدس کی رُوحانی اور آسمانی اصطلاح کے برعکس خدا کے بیٹے کے لیے خُدا کی جورُو کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں کہ :۔

انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة

ترجمہ (یعنی خُدا کی جورُو نہیں تو بیٹا کہاں سے ہو ؟)

دراصل اس مذکورہ آیت میں بُت پرست کفّار کے مشرکانہ خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ کیونکہ عرب کے مشرکین خانہ کعبہ میں موجود ۳۶۰ بتوں یعنی لات ومنات اور عزیٰ وغیرہ کو اس خیال سے پُوجتے تھے کہ ان دیوتاؤں کی بھی بیویاں اور بیٹے بیٹیاں ہیں۔ لیکن قرآن کا اس آیت میں رُوئے سُخن مسیحی عقیدہ کی طرف ہرگز نہیں تھا۔ تاہم زمانہ حال کے کثیر التعداد جُہلا بُت پرستوں کی بجائے ایسی آیات کو مسیحیوں کے خلاف استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور نہ ہی علمائے اسلام مسلمانوں کو اُن کی اس غلطی سے منع کرتے ہیں۔ تاہم ایسی آیات کو مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان متنازعہ مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے۔ کیونکہ مسیحیوں میں خُدا کی جورُو کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اور نہ خُدا کا کسی بیٹے کو جلنے کا کوئی عقیدہ ہے۔

پھر یہ کہنا کہ مسیح یسُوع نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ "میں خدا کا بیٹا ہوں" سراسر اجتہادی غلطی اور دیدہ دانستہ سینہ زوری ہے۔ مسیح خُداوند نے یہودیوں کو فرمایا کہ :

"آیا تم اُس شخص سے جسے باپ نے مُقدس کر کے دُنیا میں بھیجا۔ کہتے ہو کہ تُو کفر بکتا ہے اس لیے کہ مَیں نے کہا مَیں خدا کا بیٹا ہُوں ؟"

(انجیل یوحنا ۱۰: ۳۶)

یہوُدیوں نے اُس کے اس الٰہی ابنیت کے دعویٰ کی وجہ سے ہی تو اس کو مصلوب کروایا تھا۔ مسیح خُداوند کی نگاہ میں الٰہی ابنیت کا رشتۂ مُقدم اور مسیح موعُود کا تصور مؤخر تھا۔ اُس نے ایک جنم کے اندھے کو بینائی عطا کی اور اُس سے پوچھا کہ :۔

"کیا تُو خُدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے ؟" (یُوحنا ۹ : ۳۵)

مسیحی عقیدہ میں ہرگز یہ بات شامل نہیں کہ مسیح یسُوع خدا کی جورُو کا بیٹا ہے۔ یا خُدا کی کوئی جورُو ہے۔ اس لیے اہلِ اسلام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مسیح خُداوند کی الٰہی ابنیت کے بارے میں صاحبۃ اللہ اور لم یَلِدِ وَلَم یُولَد کے الفاظ مسیحی عقیدہ کی طرف منسوب کرنے کی غلطی سے ہمیشہ پرہیز و گریز کریں۔

خدا تو قادرِ مطلق ہے وہ تو خالقِ کائنات ہے جس کام کے لیے وہ حکم صادر

فرماتا ہے وہ از خود معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔ جیسے جب خُدا نے کائناتِ عالم کے خلق اور معرضِ وجود کا حکم صادر فرمایا تو کائناتِ عالم نیستی اور نادیدنی صُورت سے معرضِ وجود میں آگئی۔ اور جب خُدا کو پسند آیا تو اُس نے اپنی مرضی اور ارادہ کے مطابق اپنے ازلی آسمانی نادیدنی بیٹے ابنُ اللہ کو زمین پر بھیجا تاکہ وہ انسانی زندگی کے لیے بغیر کسی انسانی باپ کے اصُولِ تناسُل کے فوق الفطرت طریقہ سے تجسُّم و تولّد اختیار کرے بحیثیت ایک بے عیب، بے داغ، بے گناہ مُقدس انسانی شخصیت کے مسیح خُداوند مولُودِ مُقدس اور ایک انسانِ کامل ہے۔ ایک برگزیدہ اور پاکیزہ نبی اور عہد کا رسُول ہے۔ لیکن الٰہی قدرت، الٰہی ذات وصفات اور اُلُوہیت کی ساری معموری اور آسمانی جلالی عظمت کے سبب وہ خُدا کا اکلوتا بیٹا اور ابنِ وحید ہے۔ الٰہی ابنیت کی باطنی جلالی شان و شوکت کے سبب اُس کی زندگی اور اُس کی عجیب زندگی کے تمام عالیشان کام بذاتِ خود ایک معجزہ اور اس بات کے گواہ ہیں کہ مسیح خداوند ابنُ اللہ ہے۔ کیونکہ اُس کی فوق الفطرت خوبیوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ابنُ اللہ اور مظہرِ خُدا ہے۔

اُس کی پیدائش عجیب، اُس کی تعلیم عجیب، اُس کے معجزانہ کام عجیب، اُس کی جلالی الٰہی ابنیت کی عظمت عجیب، اُس کی مصلوب زندگی عجیب، اُس کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا عجیب، اُس کا زندہ بجسدِ عنصری صعودِ آسمانی بھی حیرت انگیز کرشمہ عجیب ہے۔ اس کا سب سے بڑا التعجب خیز اور حیران کُن معجزہ یہ ہے کہ وہ بعد از مصلوب تیسرے دِن قبر اور مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اور جی اُٹھنے کے بعد چالیس دن تک وہ اپنے شاگردوں کو اپنے مصلوب شدہ بدن ہاتھوں اور پاؤں اور سپاہی کے بھالے سے چھیدی ہوئی پسلی کو دِکھا دِکھا کر بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو اُن پر زندہ ظاہر کرتا رہا۔ اُس کی آمدِ ثانی کا عقیدہ بھی اُس کی الٰہی ابنیت کی جلالی شان سے متعلق ہے وہ لوگ جو مسیح یسُوع کو محض ایک نبی خیال کرتے ہیں۔ وہ مسیح خُداوند کی

لازوال فوق الفطرت قُدرت اور شخصیت کے بارے میں ہمیشہ متعصبانہ پریشانی اور بے چینی میں مُبتلا رہتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت تمام نسلِ آدم کے مقابلہ میں خُداوند یسُوع مسیح کا مقام اور شان بہت بلند و بالا ہے۔ کیونکہ وہ آسمانی شخص ہے۔

"لیکن پاکیزگی کی رُوح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے قُدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا۔" (رومیوں ۱: ۴)

۴۔ رُوح القُدس

بائبل مُقدس کے شروع میں سب سے پہلا لفظ "خُدا" لکھا گیا ہے۔ خُدا کے بعد جس بڑی عظیم شخصیت کا نام آیا ہے وہ "خدا کی رُوح" ہے۔ رُوح سے مُراد رُوح القُدس ہے بمعنی "رُوحِ حق" یا "پاک رُوح"، "خُدا کا رُوح"، "مسیح کا رُوح"، "جلال کا رُوح"، "زندگی کا رُوح"، "سچائی کا رُوح"، "فضل کا رُوح"۔ ابتدائے عالم سے تمام انبیا کرام رُوحُ القُدس کی تحریک سے الہام پا کر خدا کی طرف سے بولتے تھے۔ اور کلام کرتے تھے اور معجزات ظہور میں آتے تھے۔ رُوحُ القُدس خدا باپ سے صادر ہے کیونکہ وہ خُدا کا رُوح ہے۔ اس لیے رُوحُ القُدس غیر مخلوق ہے کیونکہ بائبل مُقدس میں رُوحُ القُدس کی تخلیق کا کوئی ذکر نہیں۔ بائبل مُقدس میں رُوحُ القُدس اوصافِ الٰہی سے موصوف ہے۔ رُوحُ القُدس ہمہ جا حاضر و ناظر ہے۔ رُوحُ القُدس مَسح کرتا ہے۔ اُس نے یسُوع کو مسح کیا جب اُس نے یوحنا نبی سے دریائے یردن پر بپتسمہ لیا تو یسُوع خُدا کا مسیح اور ابنُ اللہ کہلایا اور رُوحُ القُدس اُس پر نازل ہوا (انجیل لوقا ۳: ۲۲) رُوحُ القُدس فہم روشن کرتا ہے۔ (یعقوب ۱: ۱۷) مسیح خُداوند نے فرمایا کہ:

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو مَیں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا رُوح جو خُدا باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵: ۲۶، ۱۶: ۱۳)

"سچائی کا رُوح تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا۔" (یوحنا ۱۴: ۱۷)

"لیکن مددگار یعنی رُوحُ القُدس جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا"۔ (یوحنا ۱۴: ۲۶)

"اور اُن سے کہا رُوحُ القُدس لو"۔ (یوحنا ۲۰: ۲۲)

چنانچہ رُوحُ القُدس آگ کے شعلہ کی شکل میں اُس کے شاگردوں پر نازل ہُوا۔ (اعمال ۲: ۳-۴)

رُوحُ القُدس آدمیوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ (مکاشفہ ۲، ۳ باب)

رُوحُ القُدس توبہ کرنے والے ایمانداروں کو روحانی زندگی گزارنے کا نیا جنم اور نئی پیدائش بخشتا ہے۔ (یوحنا ۳: ۳-۷)

قرآن مجید میں رُوحُ القُدس کے بارے میں بہت تھوڑا سا ذکرِ خیر آیا ہے۔

۱۔ رُوح امرِ ربی ہے۔ (سُورہ اسرائیل ۱۵)

۲۔ عیسیٰ المسیح کی بابت لکھا ہے کہ "مَیں نے تم کو رُوحُ القُدس سے تائید دی"۔ (سُورہ المائدہ ۱۱۰)

۳۔ ہم نے اُس کو رُوحُ القُدس سے مدد دی۔ (سُورہ بقر ۸۷)

صاف ظاہر ہے کہ جس رُوحُ القُدس نے عیسیٰ المسیح کی تائید کی جس رُوحُ القُدس نے اُس کی مدد کی، وہ رُوحُ القُدس خُدا تعالیٰ کا رُوح ہے۔ اور وہ خُدا کا رُوح کامل خُدا ہے۔

یُوحنا بپتسمہ دینے والے نے کہا کہ: "مَیں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہُوں لیکن جو میرے بعد (مسیح) آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ مَیں اُس کی جُوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو رُوحُ القُدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا"۔ (متی ۳: ۱۱)

بائبل مُقدس میں رُوحُ القُدس کو خُدا کا رُوح اور مسیح کا رُوح کہا گیا ہے۔ (۱۔ کرنتھی ۳: ۱۶ رومیوں ۸: ۹)

رُوحُ القُدس ایک ازلی ابدی غیر فانی اور غیر مخلوق زندہ ہستی اور شخصیت ہے لیکن کسی فانی اور مخلوق شخص کو رُوحِ حق، مددگار اور رُوحُ القُدس قرار دینا مسیح خُداوند

کی انجیلی پیشگوئی کے سراسر منافی ہے۔ انجیل مُقدس میں لکھا ہے:-

"اور خُداوند رُوح ہے اور جہاں کہیں خُداوند کا رُوح ہے وہاں آزادی ہے"۔ (۲۔ کرنتھیوں ۳: ۱۷)

رُوحُ القُدس نے مسیح خُداوند کی جماعت یعنی کلیسیا کو توسیع و ترقی اور استحکام بخشا۔ وہ اپنے ایمانداروں کو ہدایت و رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ رُوحُ القُدس کی تحریک سے مسیح مصلوب کے بُزدل شاگردوں میں انجیل کی منادی کے لیے رسالت کی رُوح اور مسیح مصلوب کی گواہی اور نجات کی بشارت کا جذبہ اور جُرأت بیدار ہوئی۔

رُوحُ القُدس زندہ مددگار کامل خُدا ہے جو ہر جگہ کلیسیا میں موجود رہتا ہے۔ جو اب تک ایماندار مسیحیوں کے وسیلہ سے انجیل کی منادی اور کلیسیا کی ترقی و توسیع کا کام کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ مسیح خُداوند کے وعدہ کے مطابق شاگردوں پر رُوحُ القُدس نازل ہُوا تھا۔ تاکہ ہمیشہ رُوحُ القُدس کی قُدرت اور برکت سے کلیسیا کی توسیع و ترقی کا کام جاری رہے۔ رُوحُ القُدس ایک آسمانی قوّت کا لباس ہے جس کا مسیح خُداوند نے خاص ذکر کیا تھا کہ:-

"تم تھوڑے دِنوں کے بعد رُوحُ القُدس سے بپتسمہ پاؤ گے"۔ (اعمال ۱: ۵)

"جب رُوحُ القُدس تُم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگے"۔ (اعمال ۱: ۸)

مسیح خُداوند نے اپنے معجزانہ کاموں کو خُدا کے کام، اپنے کلام کو خُدا کا کلام، اپنی زندگی کو خُدا کی زندگی، اپنے جلال کو خدا کا جلال اور اپنی ذات کو خدا کی ذات اور خُدا کی ذات کو اپنی ذات قرار دیا۔

زمین پر مسیح خُداوند نے اپنی موجودگی کو خُدا کی موجودگی اور رُوحُ القُدس کی موجودگی کو خُدا کی موجودگی اور اپنی موجودگی کو رُوحُ القُدس کی موجودگی اور رُوحُ القُدس کی

موجودگی کو اپنی موجودگی قرار دیا۔

انجیلِ مُقدّس میں لکھا ہے کہ :۔

"نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر رُوح ایک ہی ہے اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خُدا ایک ہی ہے۔ اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خُدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہر شخص میں رُوح کا ظہور فائدہ پہنچانے کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک کو رُوح کے وسیلہ سے حکمت کا کلام عنایت ہوتا ہے اور دوسرے کو اُسی روح کی مرضی کے موافق علمیت کا کلام۔ کسی کو اُسی رُوح سے ایمان اور کسی کو اُسی ایک رُوح سے شفا دینے کی توفیق۔ کسی کو معجزوں کی قدرت۔ کسی کو نبوّت۔ کسی کو رُوحوں کا امتیاز۔ کسی کو طرح طرح کی زبانیں۔ کسی کو زبانوں کا ترجمہ کرنا۔ لیکن یہ سب تاثیریں وہی ایک رُوح کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے بانٹتا ہے۔"

(۱۔ کرنتھیوں ۱۲ : ۴۔۱۱)

"خُدا کا رُوح"، "رُوحِ حق" اور "پاک رُوح" وہ ہے جو مسیح خُداوند کی زمینی خدمت کے بعد مسیحی کلیسیا کے اندر ہمیشہ موجود رہنے والا ایک ابدی ازلی زندہ مددگار ہے یعنی رُوح القُدس جو مسیح خُداوند کے فرمان اور وعدہ کے مطابق اُس کے صعودِ آسمانی کے دس دن بعد ہی یروشلیم شہر میں اس کے شاگردوں پر نازل ہو گیا تھا۔ (اعمال ۲ : ۴)

لہٰذا رُوح القُدس یعنی رُوحِ حق کو صدیوں بعد کسی آنے والے نبی کی طرف منسُوب کرنا جس کو ابدی زندگی حاصل نہ تھی سخت غلط فہمی ہے۔ کیونکہ رُوح القُدس ابدی مددگار ہے۔ جیسے بائبل میں خُدا اور اُس کے بیٹے کے صدہا نام ہیں اسی طرح رُوح القُدس کے بھی صدہا نام ہیں۔

مُقدّس پولُس رسُول نے لکھا ہے کہ :۔

"خُدا کے پاک رُوح کو رنجیدہ نہ کرو جس سے ہم پر مخلصی کے دِن کے لیے مُہر ہوئی ہے۔" (افسیوں ۴ : ۳۰)

"تمہارا بدن رُوح القُدس کا مَقدِس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خدا کی طرف سے مِلا ہے۔" (۱۔ کرنتھیوں ۶ : ۱۹)

رُوح القُدس کو ہوا، دم، پانی، آگ، تیل، مُہر اور بیعانہ وکیل اور مددگار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

مَقدّس پطرس رسُول نے لکھا ہے کہ :۔

"نبوّت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی رُوح القُدس کی تحریک سے خُدا کی طرف سے بولتے تھے۔" (۲۔ پطرس ۱ : ۱۹۔۲۱)

رُوح القُدس انجیل کی منادی کے لیے کلیسیا کو رسالت کی قوت روح اور طاقت عطا کرتا رہتا ہے

۵۔ مسئلہ تثلیث

آپ نے غور کیا کہ مسیح مصلُوب کی انجیلی تعلیمات میں خدائے واحد اور توحیدِ الٰہی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن توحیدِ الٰہی کے اقانیم میں نسلِ آدم کے لیے الٰہی محبت، گناہوں سے نجات اور خُدا کے ساتھ میل ملاپ کی حقیقی بخشش پائی جاتی ہے، مسیحی عقیدۂ توحید الٰہی کے متعلق تثلیث کا لفظ قرآن مجید کی اصطلاح ہے لیکن انجیلِ مُقدّس میں توحیدِ الٰہی کے لیے تثلیث کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی کے لیے تثلیث کا لفظ استعمال کرنے کی غلطی اہلِ اسلام کی ہے کیونکہ لفظ تثلیث میں ریاضی کے تین ہندسوں کا عددی تصور پایا جاتا ہے یعنی ۱ + ۱ + ۱ = ۳۔ اس میں شرک لازم ہے۔ لیکن مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی میں شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے اہلِ اسلام دوست مسیحی عقیدۂ توحیدِ الٰہی کو خواہ مخواہ تثلیث کا رنگ دے کر "شرک" ثابت کرنے اور عوام کو مسیحی تصورِ خُدا کی آسمانی عظمت اور صداقت سے متنفر کرنے کی فضول اور ناکام کوشش میں بضد ہیں۔ یہ اُن کی ایک زبردست اجتہادی

غلطی اور بے انصافی ہے۔ کیونکہ خدا تے واحد اور توحید الٰہی کا حقیقی اور اعلےٰ
تصور فقط ہمارے خداوند یسوع مسیح نے دُنیا کو دیا ہے۔ کیونکہ توحید الٰہی کا عقیدہ
تو ابوالبشر آدم سے بدستور بائبل مُقدّس میں مشعلِ راہ چلا آرہا ہے، بائبل مُقدّس
میں لکھا ہے کہ

"تُو ہی واحد خُدا ہے۔" (زبور ۸۶ : ۱۰)

"اس کا نام واحد ہے" (ذکریا ۱۴ : ۹)

یاد رکھئیے گا کہ جو کوئی ذاتِ الٰہی کی وحدانیت کو چھوڑ کر تین عددی خدا کی تثلیث
کا قائل ہے۔ وہ کثرتِ الٰہ کا ماننے والا ہے۔ ایسا شخص از رُوئے بائبل مُقدّس ہرگز
ہرگز مسیحی کہلانے کا حق دار نہیں۔ ایسا عقیدہ و خیال رکھنے والوں کو مسیحی کلیسیاء میں
کبھی شامل نہیں کیا گیا۔ البتہ مسیحی علمائے کرام نے مسیحی عقیدۂ توحید الٰہی کے متعلق اہلِ
اسلام کی غلط فہمیوں اور مشکلات کو رفع کرنے کے لیے تثلیث کا لفظ ضرور استعمال
کیا ہے۔ لیکن ہم بڑے فخر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی دُنیا میں تثلیث کے جو معنی
اور مفہوم پائے جاتے ہیں۔ ان کی مسیحی عقیدۂ توحید الٰہی کے معنی اور مفہوم کے ساتھ
کوئی موافقت نہیں۔ اسلامی اصطلاح میں تثلیث کا مطلب ۱+۱+۱=۳ ہے۔
لیکن از روئے انجیلِ مُقدّس مسیحی دُنیا کی اصطلاح میں تثلیث کا مطلب ۱×۱×۱
=۱ ہے۔ کیونکہ "خدا باپ" "خدا بیٹا" "خدا رُوح القدس" ایک دُوسرے کی
وحدت میں ایسے طور سے وابستہ ہیں کہ اُن کو ۱+۱+۱=۳ کہنا سراسر اجتہادی غلطی
اور بے علمی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ تعداد کی رُو سے نہ واحد ہے اور نہ کثیر، نہ زوج
نہ فرد۔ بلکہ اُس کی وحدت ذات بے مثل، لامحدود، بلا شریک ہے۔ اور اس
کی وحدت میں کثرت بحیثیت اقانیم باطنیہ کے ہے۔ کیونکہ توحیدِ الٰہی لامحدود اور
غیر منقسم ہے، اور وہ انسانی دماغ کے تصورات سے بالاتر ہے۔

رُوئے زمین کی تمام مسیحی دُنیا اس تثلیث کی ہمیشہ منکر رہی ہے جس تثلیث
کے بارے میں علمائے اسلام آج تک اپنی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ تاہم مسیحی

علماء نے مسیحی عقیدۂ توحید الٰہی کے متعلق اہلِ اسلام کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے
مسیحی عقیدۂ توحید و تثلیث کی یُوں تشریح کی ہے کہ:-

(۱) مسیحی نقطۂ نظر سے انجیلی تثلیث فی التوحید ہی سے خدا تعالیٰ کی ذات و
صفات کی اعلیٰ ترین حقیقتوں کا سُراغ مِلتا ہے اور اس سے بہتر کوئی اچھا اور
اعلیٰ ذریعہ اظہار نہیں۔ کیونکہ ہم از رُوئے انجیل مُقدّس خشک توحید اور وحدتِ محضہ
کے قائل نہیں۔ کیونکہ توحیدِ الٰہی بھی ایک قابلِ تحقیق و تفتیش اور وضاحت طلب
مسئلہ اور فلسفہ ہے۔ جس پر مسیحی علماء نے سبقت حاصل کی ہے۔

(۲) تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث خُدا تعالیٰ کی وحدت کی تشریح
اور تعریف بیان کرتی ہے۔ کیونکہ ہمارا خدا غیر منقسم ہے۔ جیسے ایک انسان واحد
شخص ہے۔ جس کی وحدت میں جسم، عقل اور رُوح موجود ہے، یا جیسے سُورج واحد
ہے، لیکن اس میں گرمی اور روشنی موجود ہے، تاہم سُورج ایک ہی ہے۔

(۳) تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث خُدا تعالیٰ کی وحدت کو سمجھنے کا
ایک واحد ذریعہ ہے۔

(۴) مسیحی عقیدۂ توحید الٰہی میں تثلیث کو وحدت کے معنی سمجھنے کی بجائے اُسے
توحیدِ الٰہی کے بیان کرنے کی ایک قسم سمجھ کر اُس پر غور کرنا چاہیئے۔

(۵) دُنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کی وحدت میں کثرت موجود نہ ہو۔ کسی
شئے کی وحدت میں کثرت کے سبب اُس کے مفادات میں بھی کثرت موجود ہوتی
ہے۔ "خُدا باپ"، "خُدا بیٹا"، "خدا رُوح القدس" کی وحدت ہرگز ہرگز جُدا جُدا
اور الگ الگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ازل سے ابد تک حقیقی معانی میں ایک دُوسرے
کی الٰہی وحدت میں وابستہ ہیں۔ اور ایک ناقابلِ تقسیم اور دائمی وحدتِ الٰہی کے
اقانیم ہیں لہٰذا مسیحی تصورِ خُدا میں "شرک" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسیحی عقیدۂ توحید
الٰہی میں شرک کا سوال پیدا کرنے والے معترض خود مسیحی عقیدۂ توحید کی عظمت سے
بے خبر، بے بہرہ اور ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔

(۶) خُدا کی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کے عقیدہ کے وسیلہ سے خدا کی عالمگیر پدرانہ محبت، مسیح یسوع میں خدا کا فضل، نجات کی مفت بخشش اور خدا کے ساتھ میل ملاپ کا رُوحِ صحیح ظاہر ہوتا ہے،

مسیح خُداوند نے فرمایا کہ

"مَیں باپ میں سے نکلا اور دُنیا میں آیا ہُوں" (یوحنا ۱۶: ۲۸)

گویا بیٹا باپ سے صادر ہے اور رُوحُ القُدس یعنی رُوحِ حق کی بابت فرمایا کہ:

رُوحِ حق باپ سے صادر ہے۔ (یوحنا ۱۵: ۲۶)

اس لیے باپ کامل خُدا ہے بیٹا کامل خُدا ہے اور رُوحُ القُدس کامل خُدا ہے تاہم تین خُدا نہیں بلکہ باپ، بیٹا، رُوحُ القُدس واحد خُدا ہے۔

خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے خُدا تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت، شخصیت، ماہیت، محبت، خُدا کی قدرت حکمت اور خُدا کی دانائی کے پوشیدہ خزانے اور مکاشفات دُنیا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ انجیلِ مُقدس میں پولُس رسول فرماتے ہیں کہ:۔

"مسیح خدا کی قُدرت اور خُدا کی حکمت ہے"۔ (۱-کرنتھیوں ۱: ۲۴)

"جس میں حکمت و معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں" (کلسیوں ۲: ۳)

علامہ اقبال کا یہ شعر کتنا حوصلہ افزا ہے کہ:۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

مسیحی فلسفہ وحدت الوجود کے نقطۂ نظر سے مسیح خداوند ہی "خُدا کے جلال کا پرتَو" اور "اُس کی ذات کا نقش ہے"۔ (انجیل خط عبرانیوں ۱: ۳)

"وہ اَن دیکھے خُدا کی صُورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے"۔
(انجیل خط کلسیوں ۱: ۱۵)

"کیونکہ اُلوہیت کی ساری معموری اُسی میں مُجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے"۔
(انجیل خط کلسیوں ۲: ۹)

ہمارے مُنجّی عالمین مسیح مصلوب کا یہ فرمان اور اعلان ہے کہ:۔

"مَیں خُدا میں سے نکلا اور آیا ہُوں"۔ (انجیل یُوحنا ۸: ۴۲)

"پیشتر اُس سے کہ ابرہام پیدا ہُوا مَیں ہُوں"۔ (انجیلِ یوحنا ۸: ۵۸)

"مَیں باپ (خدا) میں سے نکلا اور دُنیا میں آیا ہُوں۔ پھر دُنیا سے رُخصت ہو کر باپ کے پاس جاتا ہُوں"۔ (انجیل یوحنا ۱۶: ۲۸)

"مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں"۔ (انجیل یُوحنا ۱۴: ۱۱)

"مَیں اور باپ (خُدا) ایک ہیں۔ (انجیل یُوحنا ۱۰: ۳۰)

اپنے ایک برگزیدہ رسُول فِلپّس کو دیدارِ الٰہی کی خواہش کے جواب میں خُداوند یسُوع مسیح نے فرمایا کہ:۔

"اے فِلپُّس! مَیں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہُوں کیا تُو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اُس نے (خُدا) باپ کو دیکھا۔ تُو کیونکر کہتا ہے کہ (خُدا) باپ کو ہمیں دکھا؟ کیا تُو یقین نہیں کرتا کہ مَیں (خُدا) باپ میں ہُوں اور (خُدا) باپ مجھ میں ہے؟ یہ باتیں جو مَیں تم سے کہتا ہُوں اپنی طرف سے نہیں کہتا لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے۔ میرا یقین کرو کہ مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں۔ نہیں تو میرے کاموں ہی کے سبب سے میرا یقین کرو۔" (انجیل یُوحنا ۱۴: ۸-۱۱)

فلسفۂ ظہور و تجسُّم

کیا خُدا تعالےٰ اپنی ذات وصفات کے ظہور و تجسُّم پر قادر اور صاحبِ اختیار ہے؟ کیا خُدائے قادر کے لیے کوئی کام ناممکن یا امرِ محال ہو سکتا ہے؟

افلاطُون کا فلسفہ یہ ہے کہ:۔

"حِس وعقل کے ذریعہ خُدا تک رسائی نہیں ہو سکتی"۔

بیشک افلاطُون کا یہ فلسفہ اور نظریہ درست ہے لیکن دیدارِ الٰہی کی خواہش انسانی فطرت کا تقاضا ضرور ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دیدارِ الٰہی کا اِنسانی تقاضائے فطرت کس طرح پُورا ہو سکتا ہے؟ بزرگ داؤد نے فریاد کی کہ:۔

"اے خُداوند تُو اپنے چہرہ کا نُور ہم پر جلوہ گر فرما"۔ (زبور ۴ : ۶)

پھر فرمایا کہ:۔ "راستباز اُس کا دیدار کریں گے"۔ (زبور ۱۱ : ۷)

اب دیدارِ الٰہی کے لیے ایک ہی صُورت ہو سکتی ہے کہ یا انسان خُدا بن جاتے یا خدا انسانیت میں جلوہ گر ہو جاتے۔ کیونکہ انسان خُدا نہیں، اور خُدا انسان نہیں تاکہ انسان کو دیدار و وصال ہو سکے۔ چنانچہ دیدارِ الٰہی کے لیے ایک عاجز انسان کا لامحدُود خُدا بننا تو یقیناً محالِ مطلق ہے۔ البتہ ذاتِ الٰہی کے لیے یہ امر بالکل قابلِ یقین اور عین ممکن ہے کہ خدائے قادر از راہِ محبت و اُلفت اور فضل و کرم انسانی شکل اختیار کرے تاکہ وہ انسانوں کے درمیان رہ کر اپنی ذات وصفات اور حقیقت و ماہیت کا جاہ و جلال دکھائے۔ کیونکہ لامحدُود ولا انتہا خُدائے قادر کے ظہور و تجسُّم کے بغیر ایک حادث مخلوق محدُود انسان کے لیے دیدارِ الٰہی امرِ محال ہے۔ کلامِ الٰہی میں لکھا ہے کہ:۔

"کیا تُو تلاش سے خدا کو پا سکتا ہے؟ کیا تُو قادرِ مطلق کا بھید کمال کے ساتھ دریافت کر سکتا ہے؟ وہ آسمان کی طرح اُونچا ہے۔ تُو کیا کر سکتا

ہے؟ وہ پاتال سے گہرا ہے تُو کیا جان سکتا ہے؟ (ایوب ۱۱ : ۷، ۸)

خُداوند یسُوع مسیح نے فرمایا ہے کہ:۔

"مُبارک ہیں وہ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وہ خُدا کو دیکھیں گے"۔ (انجیل متی ۵ : ۸)

چنانچہ لامحدُود خُدائے قادر ذاتِ حق تعالےٰ جو آگ کی تجلی میں جلوہ گر ہو کر بزرگ مُوسیٰ سے ہمکلام ہُوا۔ (سورہ نمل ۷، ۹)

اُس کو از راہِ محبت و اُلفت آگ کی تجلی کے علاوہ اشرف المخلوقات ہستی یعنی انسانی شکل وصُورت میں اپنے ظہور و تجسم پر بھی کامل اختیار ہے کیونکہ وہ قادرِ مُطلق خدا ہے لیکن کسی گنہگار شخصیت میں خُدا کا ظہور ہرگز ممکن نہیں۔

خُداوند یسُوع مسیح کا ارشاد ہے کہ:۔

"خُدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے"۔ (انجیل متی ۱۹ : ۲۶)

"جو انسان سے نہیں ہو سکتا وہ خدا سے ہو سکتا ہے"۔ (انجیل لوقا ۱۸ : ۲۷)

انتہائی مشکل اور عین ضرورت کے وقت ہی خُدا تعالیٰ اپنی ذاتِ الٰہی کا دیدار و ظہور فرماتا ہے۔

(۱) بزرگ موسیٰ نبی کو اس لیے دیدارِ الٰہی بخشا گیا کیونکہ خُدا تعالیٰ بنی اسرائیل قوم کو فرعون کی غلامی اور اُس کے ظلم و تشدد سے رہائی اور چھٹکارا دے کر ملکِ موعود میں پہنچانا چاہتا تھا۔ خروج کی کتاب ۶ باب ۲ و ۳ آیت میں لکھا ہے کہ:۔

(۲) "پھر خدا نے موسیٰ سے کہا میں خُداوند ہُوں"۔

اور میں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائے قادرِ مُطلق کے طور پر دکھائی دیا"۔

(۳) پھر خدا نے مسیح ابن اللہ میں ہو کر اس لیے ذاتِ الٰہی کا ظہور و تجسم بخشا۔ تاکہ گنہگار نسل کو گناہ اور شیطان کی غلامی سے رہائی اور نجات بخشے۔ اور اُن کو مُقدس کر کے آسمانی مُقدس موعودہ مقام میں داخل کر کے اپنے ابدی آرام میں شامل کرے۔

قرآن مجید میں لکھا ہے کہ روزِ قیامت ہم خدا کا دیدار کریں گے۔ (سورہ قیامہ ۲۲، ۲۳)

خُدا دو کمان کے فاصلہ پر نزدیک آیا۔ (سورہ نجم ۹) آپ ذرا غور کریں کہ روزِ قیامت ظہُور

تجسّم کے بغیر خدا تعالےٰ کس طرح دیدار بخشے گا ؟ پھر زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ روزِ قیامت خدا تعالےٰ کا ظہور و تجسّم کس قسم کی شکل و صورت میں ہو گا ؟ بہر کیف روزِ قیامت دیدارِ الٰہی کے لیے ذاتِ الٰہی کا ظہور و تجسّم ایک قابلِ تسلیم امر ہے ۔ جس کی رُو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی ذاتِ الٰہی کے ظہور و تجسّم پر قادر ہے بلکہ انسانی صورت میں بھی ظہور و تجسّم پر قادر ہے ۔ ۲۳۱ھ ہجری میں فرقہ معتزلہ سے متعلق خلیفہ الواثق نے احمد ابن نصر الکفائی (محدث کو جو اہلِ حدیث سے تھے بغداد میں طلب کیا اور اُس سے قرآن کے خلق کیے جانے اور قیامت کے دن دیدارِ الٰہی کے بارے میں سوال کیا ۔ خلیفہ مذکور خود اُن دونوں کا منکر تھا ۔ احمد نے جواب دیا ۔ ستروں ربکم یوم القیامتہ کما ترون القمر (روزِ قیامت میں تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو) خلیفہ الواثق نے کہا " تو جھوٹ بولتا ہے " احمد نے جواب دیا نہیں " مَیں جھوٹ نہیں بولتا بلکہ تُو جھوٹ بولتا ہے ۔ " اس پر خلیفہ نے کہا کیا خُدا ایک دائرے میں اُس مادی چیز کی مانند نظر آئے گا جس کو جگہ مقید کر سکتی ہے اور آنکھیں دیکھ سکتی ہیں ؟ یہ کہہ کر خلیفہ نے اُٹھ کر اپنے ہاتھ سے احمد کو قتل کیا ۔ تاہم آخر کار راسخ الاعتقاد فرقے کے لوگ غالب آئے اور نتیجہً ہر ایک مُسلمان کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ قیامت کے روز خدا نظر آئے گا ۔ لیکن دُنیائے اسلام میں ذاتِ الٰہی کے ظہور و تجسّم اور دیدار و نیاز کے متعلق مختلف الخیال لوگ پائے جاتے ہیں ۔

علامہ اقبال کی ذاتِ گرامی بھی ذاتِ الٰہی کے دیدار و نیاز کے لیے بے قرار نظر آتی ہے ، اُن کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے :-

؎ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں !

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

اب آپ کے لیے یہ امر تسلیم و قبول کرنا عین ممکن ہے کہ قادرِ مطلق خدا کے لیے انسانِ کامل کی صُورت میں اپنی ذاتِ اُلوہیت کا ظہور و تجسّم امرِ محال نہیں ۔ لیکن آپ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ جس طرح ہر دھات سونا نہیں ہوتی ، ہر شفاف چیز آئینہ نہیں ہوتی ، اسی طرح ہر انسان خدا کا مظہرِ اُتم نہیں ہو سکتا سوائے اُس واحد بے گناہ مولودِ مُقدّس شخص کے

جس میں " اُلوہیت کی ساری معموری مُجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے ۔ " (انجیل خط کلسیوں ۲ : ۹)
اور جو " خُدا کے جلال کا پرتَو " اور " اس کی ذات کا نقش " ہے ۔
(انجیل خط عبرانیوں ۱ : ۳)

کیونکہ اُس میں الٰہی پاکیزگی ، الٰہی طبیعت ، الٰہی سیرت ، الٰہی مزاج ، الٰہی قدرت و اختیار موجود ہے ۔ کسی اہلِ اسلام کو اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ عیسیٰ المسیح " رُوح اللّٰہ " یعنی عین خُدا کا رُوح (سُورہ نساء ۱۷۱) ہے اور وہ کلمۃ اللّٰہ یعنی عین کلمۂ خُدا ہے (سُورہ عمران ۴۵) چنانچہ وہی ازلی رُوح اللّٰہ اور کلمۃ اللّٰہ مُجسّم ہُوا اور کنواری مریم مقدسہ سے پیدا ہُوا یعنی ایک ابدی بادشاہ ، ایک " بزرگ ہستی " " مولودِ مُقدّس " " ابنُ اللّٰہ " جو ذاتِ الٰہی کا ظہورِ کامل اور مظہرِ اُتم ہے (انجیل لوقا ۱ : ۳۲ - ۳۵) دراصل خُدا کا ظہور و تجسّم خدا کے بیٹے کا ظہور و تجسّم ہے ۔ اور خُدا کے بیٹے کا ظہور و تجسّم خُدا تعالیٰ کا ظہور و تجسّم ہے کیونکہ توحیدِ الٰہی کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ فی الحقیقت مسیح ابنُ اللّٰہ الٰہی قدرت اور الٰہی اخلاقیات کا ایک کامل مُجسّمہ ہے ۔ متلاشیانِ حق کو اُس میں الٰہی حکمت و معرفت کے سب پوشیدہ خزانے روشن نظر آتے ہیں چنانچہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس کام کا حکم کرتا تھا وہ اُسی طرح عمل میں آجاتا تھا جیسا وہ چاہتا تھا ۔

مولوی چراغ دین جمّوں والے جو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی طرح پہلے تو جناب مرزا غلام احمد قادیانی کے ہمنوا اور رفیقِ کار تھے ۔ لیکن بعد ازاں اُن کے مشن کے سخت مخالف بن گئے ۔ وہ اپنی ایک کتاب " منارۃ المسیح " صہ۲ تا ۷ کے باب ۲ فضائل عیسیٰ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" آپ کی بابت قرآن اور اناجیل میں گناہ کی کوئی شکایت مذکور نہیں بلکہ آپ کی بابت میرا خیال جس کو مَیں بڑے قوی دلائل سے ثابت کر سکتا ہُوں یہ ہے کہ حضرت مسیح اپنی زندگی کے تمام ایام خدا تعالےٰ کی معرفت محبت اور محویت میں سرمست اور فنافی اللّٰہ کے غایت درجہ پر تھے ۔
اس لیے ایک اُن کے لیے بھی گناہ کا خیال آپ کے واسطے محال اور

نا ممکن تھا جس کا ثبوت ذیل میں دیا جاتا ہے۔

۱۔ گناہ شیطانی مس اور اُس کے تسلط کا نتیجہ ہے۔ اور آپ مس شیطان سے محفوظ تھے۔ جس کا ثبوت قرآن شریف میں تو یہ ہے۔ کہ حضرت مریم کی والدہ نے مریم اور اس کی ذریت کو شیطانی تسلط سے خدا تعالےٰ کی پناہ میں دیا۔ اور خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی جیسا فرمایا: اِنِّیٓ اُعِیۡذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ (آل عمران رکوع ۴) ترجمہ بتحقیق مَیں پناہ میں دیتی ہوں اُس کو اور اولادِ اُس کی کو ساتھ تیرے شیطان رانده گئے سے۔ پس قبول کیا اُس کو خُدا نے قبول اچھا۔ اور احادیث نبوی میں مذکور ہے۔ وَما من مولود یولد و الشیطٰن یمسه حسین یولد فیتهل صارخًا من مس الشیطان ایاہ الا مریم و اِبنھا۔" مشکوٰة باب۔ وسوسہ الشیطٰن یعنی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر شیطان مس کرتا ہے، اُس کو وقت پیدا ہونے کے پس روتا ہے چیخ مار کر مس شیطان سے۔ مگر مریم اور اُس کا بیٹا اس سے محفوظ تھے۔" (مولوی چراغ دین)

قارئین! قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے آپ نے مولودِ مقدس مسیح یسوع کی نانی (نانا) کی دینداری، ایمانداری، دُعا اور عبادت پر غور کیا ہے کہ وہ کیسی دُعا گو اور پرہیزگار خاتون تھی؟ جس نے اپنی اولاد کے لیے خُدا سے دُعا کی اور اُس کی دُعا بارگاہِ الٰہی میں منظور و مقبول بھی ہو گئی۔ پھر مسیح یسوع کی کسی دادی اور آباؤ اجداد کے وجوُد کا تو انجیل و قرآن میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ انجیلِ مقدس اور قرآن مجید نے مسیحیوں اور مسلمانوں کو یہ ایمان دیا ہے کہ عیسیٰ المسیح کی ولادت فوق الفطرت طریقہ سے بے پدر ہوئی تھی۔ لیکن انجیل مقدس اور قرآن مجید کے دلائل و اثبات سے اختلاف رکھنے والے بعض متعصب بے علم عالم مسلمان اصحاب ایسے بھی ہیں جن کا تبلیغ اسلام منافع بخش ذریعہ تجارت ہے۔ ایسے اصحاب مسیحیوں کی دلآزاری اور مسیحیوں کو اسلام سے متنفر

کرنے کی خاطر زندہ مسیح خُداوند کی ذاتِ اقدس پر یہ بہتانِ عظیم لگانے سے کبھی نہیں شرمائے کہ:

" یہ کفارہ یسوُع کی دادیوں اور نانیوں کو بھی بدکاری سے نہ بچا سکا۔"

(نورالقرآن ص۲۲ من تصنیف مرزا غلام احمد قادیانی)

" ان کے آبا و اجداد اور دادیوں، نانیوں میں شرابی، بدکار اور فاحشہ عورتیں تھیں۔"

(نقل از رسالہ "جواب باصواب" ص۱۵ مصنف پروفیسر منظور احسن عباسی۔ اسلامی مشن سنت نگر لاہور)

مولوی چراغ دین آگے لکھتے ہیں کہ:۔

۲۔ حضرت مسیح بغیر باپ صرف القا کلمہ سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا گناہ کا وہ سلسلہ جو آدم سے اس کی اولاد میں مسلسل چلا آرہا ہے۔ آپ میں منقطع ہُوا۔

۳۔ آپ کی پیدائش رُوح القدس کے تمثیلی سایہ سے ہوئی۔ تاکہ آپ کی فطرت شیطانی کیفیت کے مخالف ہو۔ کیونکہ رُوح القدس حقیقت شیطنیت کی ضد ہے۔

۴۔ آپ ماں کے شکم ہی سے رُوح القدس سے معمور تھے۔ تاکہ شیطان کو مس کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملے۔ کیونکہ جیسا آفتاب کی روشنی میں تاریکی کا وجود محال ہے۔ ویسا ہی رُوح القدس کی موجودگی میں شیطانی تسلط کا وجود غیر ممکن۔

۵۔ آپ کے اقوال طیبات اس بات پر کافی گواہ ہیں کہ آپ اپنی شہودی نظر میں من کل الوجود فنا فی اللہ اور محو بذاتِ حق تھے۔ دیکھو:۔

(ل) "مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں ہے۔" یوحنا ۱۴/۱۱

(ب) "مَیں اور باپ ایک ہیں۔" یوحنا ۱۰/۳۰

(ج) "جس نے مجھے دیکھا۔ اس نے باپ کو دیکھا۔" یوحنا ۱۴/۹

(د) "مَیں باپ سے نکلا ہُوں۔" یوحنا ۱۶/۲۸

(ہ) "مَیں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا اور اس کی محبت میں قائم ہُوں۔" یوحنا ۱۵/۱۰

(و) "مَیں اپنے باپ کے پاس جاتا ہُوں۔" یوحنا ۱۶/۵

(ز) اے باپ تُو مجھے اپنے ساتھ اس جلال سے جو مَیں دُنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا بزرگی دے۔ یوحنا ۱۷/۵

(ح) "مَیں آپ سے نہیں کہتا۔ لیکن باپ جو مجھ میں رہتا ہے وہ یہ کام کرتا ہے۔" یوحنا ۱۴/۱۰

پس یہ محبت بھرے عارفانہ کلمات اس بات کا کامل ثبوت ہیں کہ آپ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ پس جس شخص کی یہ حالت ہو۔ اُس کے دِل میں ایک آن کے لیے بھی گناہ کا خیال گزرنا محالات سے ہے۔ اور یہ اس امر پر کافی دلیل ہے کہ آپ من کل الوجوہ شیطانی مس سے دُور اور رُوح القدس سے معمُور تھے۔"

(منارۃ المسیح)

مولوی چراغ دین جموں والے نے از رُوئے انجیلِ مُقدس اور از رُوئے قرآن مجید اور از رُوئے احادیث شریف یہ ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ المسیح موروثی اور اکتسابی گناہ کی ہر خرابی سے کلیتہً پاک اور بے عیب تھے۔

حضرت بہاء اللہ (کتاب عصرِ جدید صفحہ ۲۸۰-۲۸۱ (مصنف جے۔ ای اسلمنٹ) فرماتے ہیں:-

"حضرت عیسیٰ ایک وسیلہ تھا۔ اور عیسائیوں نے آپ کے ظہُور کو خدا کی آمد کا یقین کرنے میں بالکل صحیح رویہ اختیار کیا۔ آپ کے چہرہ میں انہوں نے خدا کے چہرہ کو دیکھا۔ اور آپ کے لبوں سے انہوں نے خُدا کی آواز کو سُنا۔"

پیارے دوستو! خُداوند یسُوع مسیح خُدا کا مُجسّم کلمہ ہے جو "فضل اور سچائی سے معمُور

ہو کر ہمارے درمیان رہا" وہ اسی لیے مجسّم ہو کر دُنیا میں آیا تھا تاکہ وہ ذاتِ الٰہی اور اُلُوہیت کا مظہرِ اتم بن کر خُدا باپ کی پدرانہ محبت کا مکاشفہ بیان کرے۔ مسیح خداوند کے ایک شاگرد فلپُّس نے مسیح خُداوند سے یہ سوال کیا:-

"کہ اے خُداوند باپ کو ہمیں دکھا۔ یہی ہمیں کافی ہے۔"

مسیح خداوند نے فلپّس کو جواب دیا:-

اے فلپّس! مَیں اتنی مُدت سے تمہارے ساتھ ہُوں۔ کیا تُو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ (یعنی خُدا) کو دیکھا۔ تُو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا۔ کیا تُو میرا یقین نہیں کرتا؟

کہ مَیں باپ میں ہُوں۔ اور باپ مجھ میں ہے؟ یہ (انجیلی) باتیں جو مَیں تم سے کہتا ہُوں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے۔

"میرا یقین کرو کہ مَیں باپ میں ہُوں۔ اور باپ مجھ میں، نہیں تو میرے کاموں ہی کے سبب سے میرا یقین کرو۔" (یوحنا ۱۴: ۸-۱۱)

"تم مجھے اُستاد اور خداوند کہتے ہو اور خوب کہتے ہو کیونکہ مَیں ہُوں۔"

(یوحنا ۱۳: ۱۳)

"مَیں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰)

مسیح خداوند کے اس دعوے سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے، کہ اول اُس میں کامل الٰہی ذاتی رشتہ اُلوہیت موجود ہے دوم یہ کہ وہ بحیثیت ایک بے گناہ مولودِ مُقدس انسانِ کامل اور عہد کا رسُول اور زندہ نبی ہے، گویا کہ حق تعالیٰ خدائے قادرِ مُطلق نے:-

"مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل ملاپ کر لیا۔ اور اُن کی تقصیروں کو اُن کے ذمہ نہ لگایا۔" (انجیل خط دُوسرا کرنتھی ۵: ۱۹)

چنانچہ ہمارا خُداوند یسُوع مسیح وہ مُستقل و جامع مظہر ہے۔ جس میں حق تعالیٰ کی تمام صفات قُدسیہ اور رمُوز روحانیہ بحدِ امکان ظہُور پذیر ہوئیں۔ کیونکہ خُدا

نے ایسی انسانیت کو اُلوہیت میں لینا پسند کیا جو گناہ سے کلیتہً مبرّہ، منزّہ، پاک اور ابد تک زندہ ہے۔

انجیلِ مُقدّس میں مسیح خُداوند کی پاکیزہ زندگی، مزاج، سیرت، اخلاق اور قول و فعل، صفات اور انسانی ہمدردی کے جذبۂ محبّت و خدمت کی جو تصویر نظر آتی ہے اس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ مسیح خداوند فی الحقیقت "خدا کے جلال کا پَرتَو" اور "اُس کی ذات کا نقش" اور "اندیکھے خدا کی صُورت" اور خدائے محبت ہے۔ کیونکہ خدا باپ کی مرضی کو ہر دم پُورا کرنا مسیح خُداوند کی زندگی کا دستور العمل رہا ہے۔ وہ ہر وقت خُدا تعالےٰ کے ساتھ ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کی حالت میں رہا۔ وہ ہر گھڑی خدا سے کشف و حکمت اور قدرت پاتا رہا۔ اُس کے اور خُدا باپ کے درمیان ایسا عمیق گہرا جلالی اور نزدیکی کامِل الٰہی رشتۂ محبّت و اُلوہیت پایا جاتا ہے۔ کہ کوئی الفاظ اُسے بیان نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی دوسرا اِنسان مثیلِ مسیح اُس الٰہی مقام کو حاصل کر سکا۔ کیونکہ اُس کی شخصیت خدا باپ کی ذاتِ وحدت میں ایسی ڈُوبی ہُوئی ہے کہ اُن میں امتیاز اور دُوئی امرِ محال ہے۔ گویا کہ وہ خُدا سے خُدا، برحق سے برحق، زندگی سے زندگی اور نُور سے نُور ہے۔ وہ الٰہی قدرت و اختیار، حق و صداقت، انسانی ہمدردی، ایثار و قربانی، محبّت و خدمت، صبر و تحمّل، سیرت و مزاج، رحمدلی اور حلم مزاجی کے تمام جلالی کمالات میں خُدائے کامِل اور مظہرِ اُتم ہے۔ وہ الٰہی قدرت اور الٰہی اخلاقیات کا ایک زندہ اور کامِل مُجسّمہ ہے۔ اُس نے فرمایا:

"مَیں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں"

"کیونکہ جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے۔ اُسی طرح اُس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے۔"

(انجیل یوحنا ۵: ۲۶)

وہ مُردوں کو زندگی اور لاعلاج بیماروں کو شفا بخش معجزانہ کام اور کلام

میں صاحبِ اختیار خُدا کی طرح کلام کرتا تھا۔ (متی ۷: ۲۹)

یہودیوں اور سردار کاہنوں اور فریسیوں کی سخت مخالفت اور جانی دُشمنی کے باوجود مسیح خُداوند نے اپنے ازلی آسمانی مقام، عظیم جاہ و جلال اور الٰہی شان و شوکت کا ان سُنہرے الفاظ میں بار بار دعویٰ اور اعلان کیا کہ:۔

"مَیں اور باپ (خدا) ایک ہیں۔"

"مَیں خُدا کا بیٹا ہُوں۔"

(اسی دعویٰ کی وجہ سے وہ مصلوب و مقتول کیا گیا تھا۔) یوحنا ۱۹: ۷)

"جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا۔"

مَیں بعد از مصلوب و مقتول جی اُٹھوں گا۔

وہ اپنے ہر عظیم دعویٰ میں کامیاب اور فتح مند ہُوا۔ اور اُس نے اپنی پاکیزہ زندگی کے ہر قول و فعل، اخلاق و کردار سے یہ ثابت کر دکھایا کہ فی الحقیقت اُلوہیت کی ساری معموری اسی میں مُجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے۔ اور وہ انسانِ کامِل اور اندیکھے خُدا کی صُورت ہے (انجیل خط کُلسیوں ۱: ۱۵) دراصل وہی خُدا جو آگ کے نُور و تجلّی میں بزرگ موسیٰ پر جلوہ گر اور ہمکلام ہُوا اُسی خُدائے محبّت قادرِ مطلق نے ایک مولُودِ مُقدّس یعنی اپنے برگزیدہ پیارے بیٹے اِنسانِ کامِل کی صُورت میں نُور و ظہُور فرمایا۔

چنانچہ خُداوند یسُوع مسیح خُدائے کامِل اور اِنسانِ کامِل بھی ہے، وہ پیکرِ حق و صداقت، الٰہی سیرت، قُدرت، اختیار، آسمانی جلال اور اُلوہیت کی ساری معموری کے سبب اور بعد از مصلوب و مقتول تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی قدرت اور زندہ بجسدِ عنصری صعودِ آسمانی کی بے مثل جلالی عظمت کے سبب "ابن اللہ" ہے اور "کلمۃُ اللہ" ہے۔ وہ آسمان پر خُدا تعالیٰ کے داہنے ہماری شفاعت کے لیے ہمیشہ زندہ موجود ہے جس کی آمدِ ثانی کا ہر مسیحی کو اور ہر اہلِ اسلام کو انتظار ہے اس لیے صلیبی موت اور قبر پر غالب آنے والے زندہ مسیح خداوند کے نام کے ساتھ اُس کی سلامتی کے لیے دُعائیہ الفاظ یعنی علیہ السلام کہنا یا اُس کی بخشش کے لیے درُود شریف پڑھنا مسیح خُداوند کی انجیلی تعلیمات کے خلاف ایک اجتہادی غلطی ہے کیونکہ وہ

کسی صورت میں بھی ہم گنہگاروں کی دعاؤں اور درود کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم گنہگاروں کی دعاؤں سے نہ کسی زندہ اور نہ کسی مردہ کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں نہ ہماری دعا، سے کوئی مردہ روزِ قیامت جنت فردوس کا حقدار ہو سکتا ہے۔ گناہوں کی معافی، نجات اور جنت فردوس کا سارا اختیار خدا نے اپنے بیٹے یسوع مسیح کو سونپ رکھا ہے۔ جس نے فرمایا ہے کہ:۔ صراۃ المستقیم یعنی "راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔"

میرے دوستو! اگر آپ حق تعالےٰ کے بارے میں جسمانی ازدواجی، نفسانی اور مادی خیالات اور تصورات کو خارج از دل و دماغ کر دیں تو پھر "ابن اللہ" کے مفہوم میں اور "روح اللہ اور کلمۃ اللہ" کے الفاظ کے مفہوم میں آپ کو کلی یکسانیت نظر آئے گی لیکن مسیح یسوع کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہنے کے علاوہ اُسے "مسیح ابن اللہ" تسلیم کرنے میں "خدا باپ" اور "مسیح خداوند" کے درمیان جو ازلی یک جہتی، جو ذاتی وحدت اور جو ازلی الٰہی رشتۂ محبت و الوہیت کی بے مثل عظمت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی دوسرے اعلےٰ سے اعلےٰ الفاظ اور القاب کے مفہوم سے واضح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ خدا تعالےٰ کے فرمودہ جلالی الفاظ ہیں کہ:۔

(۱) "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔" (انجیل متی ۳: ۱۷)

(۲) یہ مسیح خداوند کا دعویٰ ہے کہ:۔ "میں خدا کا بیٹا ہوں۔" (انجیل یوحنا ۱۰: ۳۶)

(۳) یہ جبرائیل فرشتہ کے خوشخبری کے الفاظ ہیں جو اُس نے مریم مقدسہ کو سنائے کہ:۔

"وہ خدا تعالےٰ کا بیٹا کہلائے گا۔" (انجیل لوقا ۱: ۳۲)

(۴) یہ اُس کے مقدس اور پاک رسولوں کی گواہی اور بشارتِ انجیل کے الفاظ ہیں کہ:۔

"اُس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے۔" (انجیل پہلا خط یوحنا ۱: ۷)

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔

"اکلوتا بیٹا" جو باپ (خدا) کی گود میں ہے۔ اُسی نے ظاہر کیا۔" (انجیل یوحنا ۱: ۱۸)

فلسفۂ محبّت و کفّارہ

اس مادی دنیا میں محبت کے ایسے بے شمار قصے کہانیاں موجود ہیں۔ جن میں ایک انسان کو ایک دوسرے انسان کے ساتھ محبت کے واقعات میں اُن کی جانثاری اور قربانی کے ایثار نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک بادشاہ نے محض ایک عورت کی خاطر ایک عظیم بادشاہی اور تخت و تاج ٹھکرا دیا۔ دریائے چناب کی ٹھاٹھیں مارتی موجوں نے اُس عورت کو نگل لیا۔ جو ہر شب دیجور دریا کی طوفانی لہروں کا مقابلہ کرتی ہوئی اپنے محبوب سے ملاقات کے لیے جایا کرتی تھی۔ ایک نوجوان نے اپنی ایک محبوبہ کی خوشنودی کی خاطر جوئے شیر لانے کی کوشش میں اپنی قیمتی زندگی گنوا دی۔ مجازی عشق و محبت کی ان سب کہانیوں میں صرف دو اشخاص کے دل میں ایک دوسرے کے دیدار و وصال اور عارضی تسکینِ قلب کا جذبہ کارفرما تھا۔ لیکن اُن کی زندگی میں عوام الناس کے مفاد کی خاطر انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کا کوئی جذبۂ محبت و قربانی کارفرما نہ تھا۔ ایسے لوگوں کو ندامت اور مایوسی کے سوا اس دنیا سے کیا حاصل ہوا! کیا عشقِ مجازی کے ایسے قصے کہانیوں کو حقیقی محبت اور قربانی کا نام دینا عقلمندی ہے؟

حقیقی اور کامل محبت ذاتِ الٰہی ہے۔ کیونکہ "خدا محبت ہے" اور محبت خدا ہے محبت کبھی نہیں مرتی، محبت کو زوال نہیں، محبت ہمیشہ زندہ رہتی ہے لیکن قربانی اور جانثاری کے بغیر محبت ایک بے جان اور بے معنی حقیقت ہے۔ خواہ وہ انسانی محبت ہو۔ خواہ وہ الٰہی محبت ہو۔ از روئے انجیلِ مقدس زندہ مسیح یسوع کے عالیشان کام، عارفانہ مقدس کلام اور مقصدِ حیات اس امر کی عکاسی کرتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع مسیح الٰہی فلسفۂ محبت کی ایک زندہ شخصیت، ایک بے مثل مجسم حقیقت اور ایک عظیم نمونہ ہے۔ بلکہ اُس کی اذیتیں، کوڑوں کی مار کے المناک دکھ اور گنہگاروں کی نجات اور کفارہ کی خاطر صلیبی موت کا فلسفۂ محبت و قربانی، الٰہی بخشش کی ایک کامل اور انتہائی دلکش خوبصورت زندہ تصویر ہے۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح نے اپنی زندگی کے فلسفۂ محبت و قربانی اور کفارہ کی تعریف جن سنہرے اور لازوال الفاظ میں بیان کی ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ "اس سے زیادہ محبت کوئی شخص نہیں کرتا کہ اپنی جان اپنے دوستوں کے لیے دے دے۔" (انجیل یوحنا ۱۵: ۱۳)

۲۔ "اچھا چرواہا مَیں ہُوں۔ اچھا چرواہا بھیڑوں کیلئے اپنی جان دیتا ہے۔" (انجیل یوحنا ۱۰: ۱۱)

۳۔ "مَیں بھیڑوں کے لیے اپنی جان دیتا ہُوں۔" (انجیل یوحنا ۱۰: ۱۵)

۴۔ "باپ مجُھ سے اس لیے محبت رکھتا ہے کہ مَیں اپنی جان دیتا ہُوں۔ تاکہ اُسے پھر لے لُوں۔ کوئی اُسے مجھ سے چھینتا نہیں۔ بلکہ مَیں اُسے آپ ہی دیتا ہُوں۔ مجھے اس کے دینے کا بھی اختیار ہے اور اُسے پھر لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حکم میرے باپ سے مجھے مِلا ہے۔" (انجیل یوحنا ۱۰: ۱۷ و ۱۸)

مسیح مصلُوب نے ایک جگہ فرمایا کہ:۔

۵۔ "دیکھو ہم یروشلیم کو جاتے ہیں اور ابنِ آدم (مسیح) سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائے گا اور وہ اُس کے قتل کا حکم دینگے۔ اور اُسے غیر قوموں کے حوالہ کریں گے تاکہ وہ اُسے ٹھٹھوں میں اُڑائیں اور کوڑے ماریں اور صلیب پر چڑھائیں اور وہ تیسرے دِن زندہ کیا جائے گا۔" (انجیل متی ۲۰: ۱۷-۱۹)

ایک دُوسری جگہ بھی مسیح مصلُوب نے از راہِ محبت اپنی صلیبی موت اور بعد از مصلُوب و مقتول تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا ذکر یُوں ارشاد فرمایا:۔

۶۔ "کہ ضرور ہے کہ ابنِ آدم (مسیح) بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہہ اُسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے اور تین دِن کے بعد جی اُٹھے۔" (انجیل مرقس ۸: ۳۱)

غور کیجئے کہ مصلُوب مسیح کی زندگی کا فلسفۂ حیات کتنا مقبولیت کے لائق ہے کہ اُس نے اپنے حق میں بُرائی کرنے والے گنہگاروں کی کِس قدر مخالفت کی برداشت کی۔ (عبرانیوں ۱۲: ۳)

مسیحی مذہب کو مسیح یسُوع کی صلیبی موت کے الٰہی فلسفۂ محبت کی وجہ سے عالمگیر حیثیت حاصل ہے چنانچہ علامہ اقبال کا ارشاد ہے کہ ع یقیں محکم، عمل پیہم، "محبت فاتحِ عالم"

مُقدس پُولس رسُول نے حق تعالےٰ کی الٰہی محبت کی عظمت یُوں بیان کی ہے:۔

"لیکن خُدا اپنی محبت کی خُوبی ہم پر یُوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مُوا۔" (انجیل خط رومیوں ۵: ۸)

مسیح یسُوع کے ایک شاگرد پطرس نے جب خُداوند یسُوع مسیح کی زبانی اُس کی صلیبی موت

اور تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی پیش خبری سُنی تو وہ مسیح خُداوند کو الگ لے جا کر اُسے ملامت کرنے لگا کہ اے خداوند یسُوع خدا نہ کرے کہ یہ صلیبی واقعہ تجھے پیش آئے لیکن خُداوند یسُوع مسیح نے پطرس کو ملامت کی اور کہا اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو۔ کیونکہ تُو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔" (انجیل مرقس ۸: ۳۲)

"پھر اُس نے بھیڑ کو اپنے شاگردوں سمیت پاس بُلا کر اُن سے کہا۔ اگر کوئی میرے پیچھے آنا چاہے تو اپنی خودی سے انکار کرے۔ اور اپنی صلیب اُٹھائے۔ اور میرے پیچھے ہو لے۔ کیونکہ جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے وہ اُسے کھوئے گا اور جو کوئی میری اور انجیل[1] کی خاطر اپنی جان کھوئیگا۔ وہ اُسے بچائیگا۔ اور آدمی اگر ساری دُنیا کو حاصل کرے اور اپنی جان کا نقصان اُٹھائے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟" (انجیل مرقس ۸: ۳۴-۳۶)

پطرس مسیح مصلُوب کی صلیبی موت کے ہونے والے واقعہ کو مسیح یسُوع کی کسرِ شان اور اپنی توہین خیال کرتا تھا۔ لیکن خداوند یسُوع مسیح نے پطرس کی اس غلط فہمی کو شیطانی وسوسہ قرار دیا۔ کیونکہ مسیح یسُوع کا کوڑوں کی مار کی سخت ترین اذیتیں برداشت کرنا اور پھر بعد از مصلُوب و مقتول تیسرے دِن مُردوں میں سے بڑی قدرت اور جلالی شان کے ساتھ قبر سے جی اُٹھنا اور بجسدِ عنصری صعودِ آسمانی خود پطرس اور ساری دُنیا کے لیے ایک قابلِ فخر اور بے مثل محبت و قربانی کا آخری عظیم ترین معجزہ ہے۔ جو ازرُوئے انجیلِ مُقدس سابقہ انبیاء کی پیشگوئی کے عین مطابق وقوع میں آیا۔ مسیحیت کو آسمان و زمین پر مسیح یسُوع کی صلیبی موت اور تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی عجیب ترین عظمت اور قدرت کے وسیلہ سے ہی استحکام اور عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ مسیح مصلُوب کی پاکیزہ زندگی دراصل الٰہی فلسفۂ محبت کی ایک زندہ تصویر ہے اور اُس کی انسانی ہمدردیاں، خدمات اور مُقدس تعلیمات اور نظریات اُس کی مقبولیت کا باعث ہیں۔ فی الحقیقت خُدا تعالےٰ نے مسیح مصلُوب و مقتول کے وسیلہ سے الٰہی محبت کا کمال اور اپنی شانِ کبریائی دکھائی ہے۔ کیونکہ مسیح خُداوند کے دُنیا میں مبعُوث ہونیکا اولین مقصد اور فلسفۂ حیات یہ تھا کہ وہ بغیر کِسی تخریبی کارروائی اور مذہبی جنگ و جہاد کے خود اپنی جسمانی اذیتوں، عدمِ تشدد اور صلیبی موت اور کفارہ کے وسیلہ سے الٰہی محبت

---

[1] انجیل کے معنی ہیں خوشخبری، گناہوں کی معافی، نجات اور فردوس کی خوشخبری، انجیلِ مُقدس کی الہامی زبان یونانی ہے۔

اور راہِ نجات کو دُنیا پر ظاہر کرے، اس نے ہم کو نجات اور پاکیزہ زندگی دینے کی خاطر شرمندگی کی پروا نہ کرکے صلیبی موت کا دُکھ اُٹھایا کیونکہ توریت میں لکھا ہے کہ:۔

"خُون پاک ترین مقام میں کفارہ کے لیے پہنچایا جاتا ہے۔" (بائبل مُقدس کتاب احبار ۱۶: ۲۷)

"بغیر خُون بہائے معافی نہیں ہوتی۔" (انجیل خط عبرانیوں ۹: ۲۲)

لیکن یہ بھی لکھا ہے:۔

"کیونکہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خُون گناہوں کو دور کرے۔" (انجیل خط عبرانیوں ۱: ۴)

انجیل نویس یُوحنا رسُول نے لکھا ہے کہ:۔

"اُس (خُدا) کے بیٹے یسُوع کا خُون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے۔" (انجیل پہلا خط یُوحنا ۱: ۷)

مسیح مصلُوب کی زندگی کے تمام اہم واقعات اور حالات اُن چشم دید گواہوں کے قلم سے انجیلِ مُقدس میں احاطۂ تحریر میں آئے ہیں۔ جن کے سامنے یہ واقعات عمل میں آئے تھے۔ جب وہ گتسمنی باغ میں پکڑوایا گیا تو اُس کے انجیل نویس شاگرد وہاں موجود تھے۔ جب وہ یہودی اور رومی عدالتوں میں پیش کیا گیا تو وہ انجیل نویس شاگرد وہاں بھی موجود تھے۔ جب وہ مصلُوب کیا گیا تو ہزارہا یہودیوں، سردار کاہنوں اور رومیوں کے علاوہ مریم مُقدسہ اور متعدد دوسری عورتیں اور تین سال تک متواتر اُس کے ساتھ ساتھ رہنے والے اُس کے کچھ شاگرد بھی چھ گھنٹے تک صلیب کے پاس وہاں موجود تھے۔ بحالتِ مصلُوب اُس نے اپنی پاکیزہ ماں مریم مُقدسہ سے اور اپنے ایک شاگرد انجیل نویس یُوحنا رسُول سے خصوصی باتیں کیں اور اُس کو اپنی ماں کی فرزندیت میں دیا۔ ان سب نے مسیح مصلُوب کو صلیب کے اوپر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اور اُس کی موت کے آخری لمحہ یعنی جان کنی کی حالت کو بچشمِ خود دیکھا۔ اُس کے انجیل نویس شاگرد اُس کے جی اُٹھنے اور چالیس دن تک دکھائی دینے کے بعد اُس کے آسمان پر زندہ بجسدِ عنصری اُٹھائے جانے کے چشم دید گواہ ہیں۔ مُقدس یوحنا رسُول نے انجیلِ مُقدس میں مسیح مصلُوب کی بابت لکھا ہے کہ:۔

"جس نے یہ (صلیبی موت کا منظر) دیکھا ہے اُسی نے گواہی دی ہے اور اُس کی گواہی سچی ہے اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔" (یوحنا ۱۹: ۳۵)

"جو کچھ ہم نے دیکھا ہے اور سُنا ہے تمہیں بھی اُس کی خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو۔" (۱۔یوحنا ۱: ۳)

مسیح خُداوند نے رُوح القُدس کے نزول اور رُوح القُدس کی تحریک سے اُس کی سب انجیلی باتوں کی یاد دہانی، انجیل کی منادی اور تحفظِ انجیل کا جو وعدہ اپنے شاگردوں سے کیا تھا وہ عین وقت پر پُورا کیا۔ (یوحنا ۱۴: ۲۵۔۲۶، اعمال ۲: ۴)

اُس کی صلیبی موت کے منکروں کے پاس کسی چشم دید گواہ کی کوئی قلمی شہادت موجود نہیں جو قابلِ قبول ہو۔ انجیل کے سوا کوئی شخص اپنی الہامی کتاب سے یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ مسیح یسُوع کی ولادت کس شہر میں ہوئی۔ اس نے کس ملک میں انجیل کی تبلیغ کی اور وہ کس شہر میں مصلُوب کیا گیا تھا اور اُس کے مصلُوب کیے جانے کی وجوہات کیا تھیں؟ اور اس کے شاگردوں کے کیا کیا نام تھے۔

خُدا تعالیٰ کو اپنے عدل و انصاف کے ملحوظِ خاطر دُنیا کی نجات کے لیے ایک بےعیب برہ کی ضرورت تھی۔ جو پاک بےعیب اور بےداغ ہو، ایسا برہ جو خُدا اور انسان کا درمیانی ہو۔ ایسا برہ جو مقدس ترین شخصیت میں انسانِ کامل کے علاوہ کاملِ اُلوہیت کے جلال کا حامل اور مظہرِ اُتم ہو۔ یعنی خدا کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہو۔ کیونکہ "کاملِ اُلوہیت کی معموری" اور "بےگناہ کاملِ انسانیت" کے بغیر کوئی شخص خواہ کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو وہ "خُدا" اور "انسان" کا درمیانی، گناہگاروں کا حقیقی کفارہ، دُنیا کا نجات دہندہ اور فردوس دہندہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مسیح خُداوند ہی ایک ایسا واحد شخص ہے جو فی الحقیقت خدا کی طرف سے اس مُقدس مگر بےحد مشکل کام کی تکمیل اور انجام دہی کے لیے مخصوص تھا، کیونکہ وہی خدا کی ذات و صفات اور اُلوہیت کا مظہرِ اُتم ہے۔ فقط اُسی نے اپنی پاک ترین بےمثل بےداغ صلیبی موت کے وسیلہ سے الٰہی محبت کا مکاشفہ اور جلالی عظمت کا کمال دُنیا پر ظاہر کیا۔ اور اپنے ہر قول و فعل، قدرت اور اختیار، اخلاق و کردار، طبیعت اور سیرت سے یہ ثابت کیا۔ کہ وہ فی الحقیقت خدا کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش اور بلحاظ متشابہ الٰہی صفات و کمالات آئینۂ حق نما خُدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ہر معجزانہ کام اور کلام میں صاحبِ اختیار خُدا کی طرح تمام انبیاء کرام سے بڑا مختلف ہے۔ (انجیل متی ۷: ۲۸۔۲۹)

اُس نے صلیبی موت اور سپاہیوں کے پہرہ میں مُہر شدہ قبر پر غلبہ اور فتحِ عظیم حاصل کی اور وہ تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اُس کا تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنا اور زندہ بجسدِ عنصری

آسمان پر صعود فرمانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ساری دُنیا کے گنہگاروں کی نجات اور معافی کے واسطے ابنُ اللہ کی قربانی بطورِ فدیہ اور کفارہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول و منظور ہو گئی۔ اور وہ اپنے مشن میں کامیاب ہُوا۔ اور اُس نے اعلان کیا کہ مَیں گناہ اور شیطان اور دُنیا کی ہر آزمائش پر غالب آیا ہُوں۔

(انجیل یوحنا ۱۶ : ۳۳)

اس لیے مسیح مصلُوب کی زندگی، اُس کے الٰہی فلسفۂ محبت، قربانی اور کفارہ کی عظمت ایک بےنظیر زندہ حقیقت ہے۔ مسیح مصلُوب کا ارشاد ہے کہ:۔

"اچھا چرواہا مَیں ہُوں، اچھا چرواہا بھیڑوں کیلئے اپنی جان دیتا ہے"۔ (انجیل یُوحنا ۱۰ : ۱۱)

"مَیں بھیڑوں کے لیے اپنی جان دیتا ہُوں"۔ (انجیل یُوحنا ۱۰ : ۱۵)

"اس سے زیادہ محبت کوئی شخص نہیں کرتا

کہ اپنی جان اپنے دوستوں کے لیے دے دے"۔ (انجیل یُوحنا ۱۵ : ۱۳)

مسیح خُداوند کی صلیبی موت کا واقعہ الٰہی محبت کی عظمت اور اس کے فضل و کرم کی جلالی شانِ مسیحائی بیان کرتا ہے۔ اُس نے خود اپنی صلیبی موت اور بعد از مصلُوب تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی جو پیشگوئی بار بار فرمائی تھی وہ عین وقتِ مقررہ پر پُوری ہُوئی کہ:۔

"دیکھو ہم یروشلیم کو جاتے ہیں اور جتنی باتیں نبیوں کی معرفت لکھی گئی ہیں۔ ابنِ آدم (مجھ مسیح یسُوع) کے حق میں پُوری ہوں گی۔ کیونکہ وہ غیر قوم والوں کے حوالہ کیا جائے گا۔ اور لوگ اُس کو ٹھٹھوں میں اُڑائیں گے اور بے عزت کریں گے اور اُس پر تھوکیں گے اور اُس کو کوڑے ماریں گے اور قتل کریں گے اور وہ تیسرے دِن جی اُٹھے گا"۔ (انجیل لُوقا ۱۸ : ۳۱-۳۳)

اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ:۔ "لیکن مَیں اپنے جی اُٹھنے کے بعد تم سے پہلے گلیل کو جاؤں گا"۔ (انجیل متی ۲۶ : ۳۲)

"یہ میرا وہ عہد کا خُون ہے جو بہتروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔" (انجیل متی ۲۶ : ۲۸) اُس نے جیتے جی اپنی واقعہ ہونے والی صلیبی موت سے پہلے ہی اپنی صلیبی موت کی یادگار کے لیے پاک عشاء کی بنیاد رکھ دی کہ میری صلیبی موت کی یادگار میں ایسا ہی کیا کرو۔ (انجیل متی ۲۶ : ۲۶-۲۹)

قرآن مجید میں بھی عیسےٰ مسیح یسُوع کی موت اور آسمان پر اُٹھائے جانے کا ذکر موجود ہے:

(۱) اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (سورہ آلِ عمران ۵۵ آیت)

یعنی جب اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دینے والا اور تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہُوں۔ (ترجمہ مولٰنا محمد علی جماعت احمدیہ لاہور)

(۲) وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا (سورہ زخرف ۶۱ آیت):۔

تحقیق وہ (عیسیٰ) البتہ علامت قیامت کی ہے (ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی)

گویا مسیح یسُوع کا جی اُٹھنا قیامت کے ثبوت کا نشان ہے۔

(۳) سورہ زخرف ۶۱ آیت ترجمہ مولٰنا محمد علی لاہور:۔

"حضرت عیسیٰ موعود گھڑی اور ساعت کے لیے نشان ہے"۔

تمام راسخ الاعتقاد مسلمان از روئے قرآن مجید و احادیث متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ المسیح بجسدِ عنصری آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے تھے۔ اور وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور پھر آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ لیکن اب ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، کہ از روئے قرآن مجید عیسیٰ المسیح کی موت آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ اُٹھائے جانے سے پہلے واقعہ ہوئی یا کہ اُس کے دوبارہ آسمان پر سے نازل ہونے کے بعد واقعہ ہو گی؟

قرآن مجید کی سورہ عمران ۵۵ آیت میں تُوَفِّيْكَ یعنی وفاتِ عیسیٰ کا حکم پہلے ہے اور رَافِعُكَ یعنی بجسدِ عنصری رفع آسمانی کا حکم بعد از وفات ہے پس صاف ظاہر ہے کہ عیسےٰ المسیح کی وفات (یعنی موت) پہلے صلیب کے اُوپر واقعہ ہوئی اور وہ بعد از موت بجسدِ عنصری زندہ ہوئے اور آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے۔ وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ اور پھر اُسی جسم میں آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ سورہ آلِ عمران ۵۵ آیت يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ اور سُورہ نِساء کی ۱۵۶ آیت "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ" کا اختلاف قرآن مجید سے نہیں بلکہ انجیلِ مُقدّس کی روشنی سے ہی دُور کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ:۔

۱۔ اللہ کا ایک جبرائیل فرشتہ وہ ہے جو خُدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر

ناصرہ میں کنواری مریم مقدسہ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جس نے بعد از مودبانہ سلام و آداب
مریم مقدسہ کو خداتعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دی کہ:

"سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے! خداوند تیرے ساتھ ہے"۔
تیرے بیٹا ہوگا۔ اُس کا نام یسوع رکھنا۔
وہ بزرگ ہوگا اور خداتعالےٰ کا بیٹا کہلائے گا" (انجیل لوقا ۱: ۲۸ و ۳۱)

لیکن اس واقعہ کے چھ سو سال بعد ایک جبرائیل فرشتہ جو مریم مقدسہ کے پاس حاضرِ
خدمت نہ ہوا تھا اُس نے عرب میں یہ خبر دی کہ:- "نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے
انہیں اللہ کی مار (سورہ توبہ ۳۰) اللہ کو لائق نہیں کہ بیٹا رکھے (سورہ مریم ۳۵)

۲۔ خداتعالےٰ کے فرشتوں نے یروشلیم کے ایک باغ میں جہاں مسیح مصلوب قبر میں
دفن کیا گیا تھا۔ عورتوں سے کہا کہ مسیح مصلوب جی اُٹھا ہے۔ اُس کی خالی قبر دیکھو جہاں وہ رکھا
گیا تھا وہ اپنے کہنے کے مطابق جی اُٹھا ہے (انجیل متی ۲۸: ۵-۷)

لیکن دنیا میں اس مشہور و معروف تاریخی واقعہ کے چھ سو سال بعد ایک جبرائیل فرشتہ
نے جو مسیح مصلوب کی موت اور کفن دفن اور جی اُٹھنے کے مقامِ واقعہ سے بے خبر اور غیر حاضر
تھا۔ اُس نے بغیر کسی چشم دید گواہی اور شہادت کے عرب میں یہ خبر دی کہ اُسے نہ قتل کیا
اور نہ اُسے مصلوب کیا۔

قارئین! اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں سے کون سے جبرائیل فرشتہ
کی بات اور پیغام کو برحق تسلیم کیا جائے؟ کیا جبرائیل فرشتہ ایک ہے یا دو ہیں؟

انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ فرشتوں نے خداوند یسوع مسیح کے شاگردوں سے کہا:

"اے گلیلی مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو؟ یہی یسوع
جو تمہارے پاس سے آسمان پر اُٹھا لیا گیا ہے۔ اسی طرح پھر آئے گا۔
جس طرح تم نے اُسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے" (انجیل کتاب اعمال ۱: ۱۱)

مسیح یسوع کی صلیبی موت اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا واقعہ تاریخ
عالم کی ایک عظیم اور زندہ عالمگیر صداقت ہے۔ اور متعدد چشم دید گواہوں کی زبانی از روئے

کلام الٰہی یہ ایک مستند زندہ حقیقت ہے، جو نہ کبھی جھٹلائی گئی۔ اور نہ کبھی جھٹلائی جا سکتی
ہے۔ یہ ایک بے مثل عظمت ہے جو اُس کی اُلوہیت کے اثبات کی آئینہ دار ہے تمام
مخالفِ مسیح اُس کے صلیبی واقعہ کے خلاف اپنے اپنے حربے آزما کر مایوسی کے عالم میں
لقمہ اجل ہو گئے۔ لیکن مسیح خداوند عالمِ بالا پر تخت نشین اور خدا باپ کے دہنے سرفراز
ہماری شفاعت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ موجود ہے۔

(انجیل خط عبرانیوں ۷: ۲۵ و ۱۔ پطرس ۳: ۲۲)

انبیاء اور رسلین کی مقدس خدمات کے مراتب اور فرائض بڑے اعلیٰ اور قابلِ تعریف
ہیں۔ لیکن گنہگاروں کی نجات اور وصالِ باری تعالیٰ کا معاملہ خداتعالیٰ کے ذاتی اختیار میں
ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ:

"خدا نے مسیح میں ہو کر دنیا کے ساتھ میل ملاپ کر لیا اور اُن کی تقصیروں
کو اُن کے ذمہ نہ لگایا"۔

خدا کی طرف سے گنہگاروں کی معافی، نجات اور خدا کے ساتھ میل ملاپ اور حصولِ
فردوس کا واحد وسیلہ ابن اللہ مسیح مصلوب ہے جس نے ہمارے گناہوں کی سزا کا
کفارہ ادا کیا۔ یسعیاہ نبی کی معرفت خدا نے فرمایا ہے کہ:-

"صادق القول اور نجات دینے والا خدا میرے سوا کوئی نہیں"۔
کتاب مقدس یسعیاہ ۴۵: ۲۱)

خداتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ ہر کام پر قادر اور احکم الحاکمین ہے۔ وہ صاحبِ
اختیار بلکہ صاحبِ قدرت ہے وہ اپنی ذاتِ الٰہی کے ظہور و تجسم کے معاملہ میں بھی
کُلی طور پر صاحبِ اختیار ہے۔ کیا خدا کے لیے بھی کوئی کام ناممکن اور محال مطلق ہو سکتا ہے؟
کون کہہ سکتا ہے کہ خدائے قادر کے لیے فلاں کام ممکن اور فلاں کام ناممکن ہے؟ قادرِ
مطلق خدا کے لیے ممکن اور ناممکن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تو ماہرینِ علوم سائنس نے
متعدد ناممکن کام فائدۂ عام کے لیے ممکن اور باعثِ حیرت بنا دیئے ہیں۔ آج کے انسان
کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں اور چاند ستاروں کی بلندیوں پر حیرت انگیز دسترس حاصل ہے

چنانچہ خداتعالیٰ کے حضور یہ کتنی خوشی اور شکرگزاری کی بات ہے کہ اُس نے گنہگاروں کی نجات کے لیے ایک حیرت انگیز کام کیا کہ خُدا نے ساری اقوامِ عالم کی نجات، معافی اور میل ملاپ کی خاطر اپنی ذاتِ الٰہی کا ظہور و تجسّم فرمایا یعنی کہ:۔

"خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل ملاپ کر لیا اور اُن کی تقصیروں کو اُن کے ذمہ نہ لگایا۔" (انجیل خط دوسرا کرنتھیوں ۵: ۱۹)

"تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لاتے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" (انجیل یوُحنا ۳: ۱۶)

یوُحنا رسُول نے لکھا ہے کہ:۔

"وہی (مسیح مصلوُب) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے اور نہ صرف ہمارے ہی گناہوں کا بلکہ تمام دُنیا کے گناہوں کا بھی"۔ (انجیل پہلا خط یوُحنا ۲: ۲)

مسیح خُداوند نجات دہندہ بلکہ فردوس دہندہ بھی ہے،

زندہ خداوند یسُوع مسیح مُنجّیِ عالمین مظہرِ ذاتِ خُدا نہ صرف گناہوں سے نجات دہندہ ہے۔ بلکہ فردوس دہندہ بھی ہے۔ اُس نے کوہِ کلوری پر اپنے ساتھ مصلوب تائب بدکار کو فرمایا کہ:۔

"مَیں تجھ سے سچ کہتا ہُوں کہ
آج ہی تُو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔" (انجیل لُوقا ۲۳: ۴۳)

اُس نے اپنے تمام ایمانداروں کو فردوس بریں کا زندہ ایمان اور یقینِ محکم عطا فرمایا کہ:

"تمہارا دِل نہ گھبرائے، تم خُدا پر ایمان رکھتے ہو۔ مُجھ پر بھی ایمان رکھو۔ میرے باپ (خدا) کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ اگر نہ ہوتے تو مَیں تم سے کہہ دیتا، کیونکہ مَیں جاتا ہُوں تاکہ تمہارے لیے جگہ تیار کروں اور اگر مَیں جا کر تمہارے لیے جگہ تیار کروں تو پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لُوں گا، تاکہ جہاں میں ہُوں تم بھی ہو۔" (انجیل یوُحنا ۱۴: ۱-۳)

خُدا نے کسی دوسرے مذہب کے بانی کو ایسے الفاظ کہنے کا اختیار اور قدُرت

نہیں دی۔

چنانچہ مسیح خُداوند دُنیا جہان کی تمام اقوامِ عالم کا نجات دہندہ اور مُنجّیِ عالمین ہے۔ اُس نے فرمایا ہے:۔

"کیونکہ مَیں دنیا کو مُجرم ٹھہرانے نہیں۔
بلکہ دُنیا کو نجات دینے آیا ہُوں"۔ (انجیل یوُحنا ۱۲: ۴۷)

"کیونکہ خُدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا، تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔
(انجیل یوُحنا ۳: ۱۶)

مُقدّس پولُس رسُول نے لکھا ہے:۔ "اور باپ کا شکر کرتے رہو جس نے ہم کو اس لائق کیا۔ کہ نور میں مقدسوں کے ساتھ میراث کا حِصّہ پائیں۔ اُسی نے ہم کو تاریکی کے قبضے سے چھڑا کر اپنے عزیز بیٹے کی بادشاہی میں داخل کیا۔ جس میں ہم کو مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہے وہ اَن دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولُود ہے۔ کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں۔ آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا ان دیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے۔ اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔ اور وہی بدن یعنی کلیسیا کا سر ہے۔ وہی مبدا ہے اور مُردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا، تاکہ سب باتوں میں اس کا اوّل درجہ ہو۔ کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا۔ کہ ساری معموری اسی میں سکونت کرے اور اس کے خُون کے سبب سے جو صلیب پر بہا صلح کر کے سب چیزوں کا اسی کے وسیلہ سے اپنے ساتھ میل کر لے خواہ وہ زمین کی ہوں خواہ آسمان کی۔ اور اس نے اب اس کے جسمانی بدن میں موت کے وسیلہ سے تمہارا بھی میل کر لیا جو پہلے خارج اور بُرے کاموں کے سبب سے دل سے دشمن تھے تاکہ وہ تم کو مُقدس بے عیب اور بے الزام بنا کر اپنے سامنے حاضر کرے۔ بشرطیکہ تم ایمان کی بنیاد پر قائم اور پُختہ رہو۔" (کلسیوں ۱: ۱۲-۲۳)

دوستوں کے خطوط

ہولی ٹرنیٹی چرچ۔ نیلا گنبد لاہور

۱۰-۹-۷۷

مکرمی و محترمی ماسٹر برکت اے خاں صاحب

بعد خداوندِ یسُوع مسیح کے فضل و کرم سے واضح ہو کہ آپ کا رسالہ بنام "فلسفۂ وحدت الوجُود" موصول ہُوا۔ جس کے لیے صدقِ دِل سے شکر گزار ہوں... مَیں نے آپ کے کتابچے کو بنظرِ عمیق پڑھا ہے۔ آپ نے اچھا موضوع چُنا ہے۔ اور کافی محنت کی ہے ....

تاہم آپ کا کتابچہ بہت عمدہ ہے اور مَیں آپ کی محنت اور مضمون ہذا میں ترجبہ اور دلچسپی کے لیے آپ کو ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہُوں۔

مسیح میں آپ کا بھائی

ریورنڈ اصغر فضل الٰہی پال

ایم۔اے۔ایل ایل بی

تبصرہ

ماسٹر برکت اے خان ایک وسیع المطالعہ مسیحی فاضل ہیں۔ اُن کی تحاریر و تصانیف کے خصوصی مخاطبین مسلمان ہوتے ہیں۔ اپنے رسالہ بعنوان "فلسفۂ وحدت الوجُود" میں اُنہوں نے فلسفۂ وحدت الوجُود سے متعلق اہلِ ہنوُد، اہلِ یہوُد، افلاطون، اہلِ اسلام اور مسیحیت کی آرا۔ اور تصورات پر قلم اُٹھایا ہے۔ فاضل مصنف کی نظر میں فلسفۂ وحدت الوجُود کے صحیح علمبردار مسیحی ہیں۔ کتابِ مُقدس بالخصوص انجیلِ جلیل سے اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت قابلِ مطالعہ ہے ....

جیسا کہ فاضل مصنف نے تشریحات درج کر دی ہیں۔ یہ فلسفہ حکیم افلاطون کے خیالات و افکار سے متاثر بلکہ مرعُوب مسلم فلاسفروں نے تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں میں داخل کیا جیسے آج کل مسلمان مستغربین، "اسلامی سوشلزم" اور "سیکولر اسلام" ایسی بے سر و پا اصطلاحات اور خیالات کی کڑوی گولیاں مسلمانوں کے حلق سے نیچے اُتارنے کی نامسعود مساعی میں مصروف ہیں۔

خادم

محمد اسلم رانا بی۔اے

مرکزِ تحقیق پاکستان

ملک پارک۔ شاہدرہ۔ لاہور

از پشاور

۲۸-۷-۷۹

محترم بھائی برکت اے خان صاحب

سلام و دُعا!

کِتاب "فلسفۂ وحدت الوجُود" بہت اچھی کاوش ہے۔ مَیں نے اس فلسفہ پر کئی کُتب پڑھی ہیں مگر جس سادگی سے آپ نے اس فلسفہ پر بحث کی ہے۔ قابلِ ستائش ہے۔ دُعا ہے کہ خُداوند مسیح آپ کو ہمت، طاقت اور رُوح القُدس عطا فرماتے تاکہ بشارتی کام جو آپ سرانجام دے رہے ہیں مزید ترقی کرے۔ آمین۔

نیازمند
یُوسف مسیح

اِسلامی مِشن سنت نگر۔ لاہور

بجواب رسالہ "فلسفۂ وحدت الوجُود"

اِقتباس رسالہ "موازنہ توحید و تثلیث" صہ ۳

مصنفہ علامہ پروفیسر منظور احسن عباسی:-

"اس سِلسلہ میں ایک کتاب "فلسفۂ وحدت الوجُود" نامی ایک پادری مسمی برکت اے خان نے شائع کی ہے۔ اس میں انہوں نے تثلیث کے پردہ میں توحید کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تثلیث توحید ہی ہے۔ فارسی کا ایک شعر مؤلف کتاب پر خوب صادق آتا ہے

ع : چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

چور کتنا دلیر ہے کہ ہتھیلی پر چراغ لیے پھرتا ہے۔ یعنی کتنی دلیری سے تثلیث کو توحید بنا دیا گیا۔"

برکت اے خاں کی تصانیف

١ خُدا محبّت ہے
٢ خُدا رُوح ہے
٣ مسلمانوں کے دوست
٤ بشارت کے طریقے
٥ خوشخبری
٦ مسیح ابنُ اللہ
٧ نیک اعمال اور نجات
٨ دُنیا کا مُنجّی
٩ دورِ حاضرہ میں بشارت
١٠ اصلی انجیل (تبصرہ)
١١ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ
١٢ محبّت اور قربانی
١٣ وہ نبی
١٤ نجات دہندہ
١٥ سلامتی کا شہزادہ
١٦ فلسفۂ وحدتُ الوجُود
١٧ فلسفۂ حیات
١٨ آئینۂ خطوط
١٩ مسئلہ نجات
٢٠ تبصرہ انجیل برنباس
٢١ بشارتِ انجیل
٢٢ سیرت المسیح
٢٣ اوصافِ مُرسلین
٢٤ کون نجات دے سکتا ہے؟
٢٥ کون مثیلِ موسیٰ ہے؟
٢٦ واقعاتِ مصلوب
٢٧ ازلی محبوبِ خُدا (حصّہ اوّل)
٢٨ ازلی محبوبِ خُدا (حصّہ دوم)
٢٩ لاثانی کفّارہ
٣٠ اصُولِ تنزیلِ الکتٰب

٣١۔ سیرت کلمۃُ اللہ